میں اس قدر واضح مگر بنیادی فرق محسوس کیا تو وہ کہیں کے نہ رہیں گے یہی وجہ ہے کہ برطانیہ اور امریکہ بدعملی سست اور گواہ چست کے مقولہ پر عمل کرتے ہوئے اقوام متحدہ کی مجلس میں اس مسئلہ کو پیش کرنے پر مصر ہیں - اور گرامیکو کے الفاظ میں ایران کی خواہشات کی خلاف ورزی کر کے اس کی آزادی اور خود مختاری میں مداخلت کر رہے ہیں ...... مجلس تحفظ اور جنرل اسمبلی دونوں جگہ اینگلو امریکن اقوام کو اکثریت حاصل ہے لیکن اگر انہوں نے اپنی اس اکثریت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تو ہمیں اندیشہ ہے کہ موجودہ بین الاقوامی انجمن کا بھی آنجہانی انجمن ہی جیسا حشر نہ ہو - برطانیہ اور امریکہ کے رویہ سے ایک مرتبہ پھر یہ بات ثابت ہو گئی وہ جو کچھ کرتے ہیں کسی قوم کی حمایت اور جمہوری کاز کی تقویت کے لئے نہیں بلکہ بیشتر اپنے کمینہ مقاصد کی تکمیل کے لئے کرتے ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ ان کی موجودہ پالیسی دنیا میں امن قائم کرنے کی راہ میں زبردست رکاوٹ بنی ہوئی ہے - اور آخر میں ہم پھر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہر آزادی پسند حکومت کا فرض ہے کہ وہ موجودہ مسئلے پر ایرانی حکومت کی حمایت کرے اور اقوام متحدہ کو چند مخصوص مفادات کے ہاتھوں میں آلۂ کار بننے سے روکنے کی کوشش کرے -

(انصاری - ۱۸ اپریل ۱۹۴۶ء)

کلکتہ کے روزنامہ جہاں نے لکھا کہ

"اقوام السلنت نے ایران کو برطانوی امریکی سامراج سے بچانے کے لئے سوویت روس سے سمجھوتہ کر لیا - اور اس سمجھوتے نے ایران کی آزادی اور خوشحالی کی ضمانت کر لی -

"ایران دو سوویت ... [illegible]

کی زندگی گذارنے کا موقع دیں۔ بلکہ اس کام میں ان کی مدد کریں۔ سیاسی آزادی صرف اس لئے ضروری ہوتی ہے کہ قوم اقتصادی میدان میں بھی ترقی کر سکے اور اس کے افراد اپنی روایات اور رسم و رواج کے مطابق زیادہ سے زیادہ بےفکری اور خوش حالی کی زندگی بسر کریں۔ اس لئے اگر کوئی قوم محض برائے نام آزاد ہے لیکن اس کی اقتصادیات پر غیر ملکی حکومتوں یا کمپنیوں کا قبضہ ہے تو اس کی آزادی اور سیاسی غلامی میں کوئی فرق نہیں۔

ایران ان بدقسمت ممالک میں سے ہے جسے عرصہ دراز سے غیر ملکی سامراجیوں کی غلامی کا مزہ چکھنا پڑا۔ اس کا تیل اس کی اقتصادی خوش حالی اور ترقی کے بجائے اس کی غلامی اور پستی کا سبب بن گیا ہے۔ آج ایران کے باشندے تعلیم کے اعتبار سے دنیا کے ہر ملک سے پیچھے ہیں۔ ان کی صحت کی حالت سخت خراب ہے اور دنیا کے کسی ملک میں شرح اموات اس قدر زیادہ نہیں جس قدر ایران میں معاشرتی اور تمدنی اعتبار سے بھی یہ ملک اپنی تمام سابقہ شاندار روایات کے باوجود آج انتہائی پستی کا شکار ہے۔ اور اس کا سبب صرف یہ ہے کہ غیر ملکی سامراجیوں اور سرمایہ داروں نے اس ملک میں ایک لامتناہی لوٹ اور کھسوٹ کا بازار گرم کیا ہے۔ اور اس میں سب سے زیادہ حصہ برطانیہ کا ہے۔

ایران میں برطانوی تیل کی کمپنی نے ایرانی مزدوروں اور عام باشندوں کی حالت کو کس درجہ خراب کر دیا ہے اس کا حال سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ادھر امریکہ بھی اپنے پاؤں جمانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ روس سے حال ہی میں ایران کے ساتھ جن شرائط پر سمجھوتہ کیا ہے وہ اینگلو امریکن سرمایہ داروں اور سامراجیوں کے لئے ایک زبردست طمانچہ کا حکم رکھتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ روس نے ان شرائط کو عملی جامہ پہنایا اور ایرانیوں نے دونوں حکومتوں میں

مجلس تحفظ اور ایرانی مسئلہ

معاصر انصاری نے لکھا کہ

"روس نے اس وقت تک ایران میں جو کچھ کیا ہے وہ اینگلو امریکن سازشوں کا سدباب کرنے اور ایران کو ان دونوں حکومتوں کی سامراجی اور سرمایہ دارانہ پالیسی سے بچانے کے لئے کیا ہے۔ یہ حقیقت کہ اس میں خود روس کا مفاد وابستہ ہے، مسئلہ پر کسی طرح نظر انداز نہیں ہوتی۔

"موجودہ جنگ کے بعد دنیا میں صرف تین بڑی طاقتیں رہ گئی ہیں اور حقیقی معنوں میں صرف دو یعنی روس اور امریکہ۔ برطانیہ کی حیثیت زیادہ سے زیادہ اس قدر باقی رہ گئی ہے کہ وہ ان دو بڑی طاقتوں میں توازن قائم رکھ سکے۔ اگرچہ ہمیں اس میں بھی شبہ ہے اور بین الاقوامی سیاسیات کے موجودہ دور میں چھوٹی طاقتیں عالمگیر مسائل پر اثر انداز ہونے کی بہت کم قدرت رکھتی ہیں۔ اور ان کی حیثیت صرف اس قدر باقی رہ گئی ہے کہ وہ بڑی طاقتوں کی اقتداری سیاسیات کا آلۂ کار بنتی ہیں۔ ایسے حالات میں دنیا میں مستقل اور دیرپا امن قائم رکھنے کے لئے بڑی طاقتوں کے درمیان کامل اتفاق رائے زیادہ سے زیادہ ضروری ہے۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ بڑی طاقتیں حصول اقتدار کے پرانے کھیل کو چھوڑ کر اور دنیا کو مختلف حلقہ ہائے اثر میں تقسیم کرنے کی روایات کو خیرباد کہہ کر جمہوریت اور آزادی کے اصولوں کو زیادہ سے زیادہ رواج دینے کی کوشش کریں۔ چھوٹی اور کمزور اقوام کو جن کی حالت پہلے ہی ناگفتہ بہ ہے اور جن کے باشندے جانوروں سے بھی بدتر زندگیاں گذارتے ہیں۔ اپنی لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنانے کی بجائے انہیں آزادی سے ترقی کرنے کے مواقع

اعلان نہیں کیا

(۱۰) برطانیہ نے ایران سے اپنی زاید فوجیں ہٹالی ہیں لیکن اب وہ اتنے فاصلہ پر ہیں جسے طیارے ایک یا دو گھنٹوں میں طے کرسکتے ہیں۔

(۱۱) پچھلے دنوں برطانی خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعہ جو خبریں شائع ہوئیں ان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید بین الاقوامی حالات کے پیش نظر برطانیہ ہندوستان میں اپنی فوج کی تعداد بڑھانے کے لئے مجبور ہو جائے۔

ان تمام واقعات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ مشرق میں برطانیہ کی نئی حکمت عملی "ڈنڈا پالیسی" کی دوسری صورت ہے۔ نہ صرف یہ کہ وہ اپنے زیر اثر ممالک سے فوراً فوجیں ہٹانے کے لئے تیار نہیں بلکہ ان افواج کی واپسی کے لئے کوئی وقت بھی معین کرنا نہیں چاہتا۔ آج کل ہندوستان کو آزادی دیئے جانے کی باتیں ہو رہی ہیں اور اسی کے ساتھ ہندوستان میں یہ پروپاگنڈا بھی کیا جارہا ہے کہ روسی فوجوں سے ایک طرف ایران کو خطرہ ہے اور دوسری طرف ترکی کو۔ ہوسکتا ہے کہ روس کے خلاف یہ پروپاگنڈا اس غرض سے کیا جارہا ہو کہ ہندوستان کی آزاد حکومت سے معاہدہ کرتے وقت برطانی فوجوں کو ہندوستان میں رکھنے کے لئے وجہ جواز پیدا کی جائے اور ہندوستانیوں کو بالواسطہ یہ سمجھانے کی کوشش کی جائے کہ روسی حکومت کی اقدامی پالیسی کے پیش نظر ہندوستان کا فائدہ اسی میں ہے کہ برطانی فوج اس ملک کی حفاظت کا فرض ادا کرتی رہے۔

غالباً ہندوستانی رہنماؤں نے بھی برطانیہ کے ان منصوبوں کو بھانپ لیا ہے اور ان میں سے بعض نے اعلان بھی کردیا ہے کہ ہندوستان کی آزادی تسلیم کرلینے کے ساتھ اس ملک سے برطانی افواج کا واپس بلایا جانا بھی ضروری ہوگا۔

(شہانہ۔ مورخہ ۴ جمادی الاول ۱۳۶۵ھ)

جب فرانس نے انام کی تحریک آزادی کو پوری طرح کچل کر کامل تسلط قائم کر لیا۔

(۲) برطانیہ نے برما کے متعلق بڑے سے بڑا وعدہ جو کیا وہ اس ملک کو نوآبادیوں کا درجہ دینے کا تھا کسی سرکاری تحریر یا تقریر میں برما کی آزادی کا ذکر نہیں کیا گیا۔

(۳) برطانیہ نے ملایا میں نئی زمین قائم کرنے کی سکیم مرتب کی لیکن اس میں بھی آزادی یا خود مختاری کا کوئی ذکر نہ تھا۔

(۴) برطانیہ نے انڈونیشیا سے جاپانی سپاہیوں کو نکالنے اور نظر بند ولندیزیوں اور پوزیشنوں کو چھڑانے کے لئے جو فوج بھیجی تھی اس نے بالواسطہ ولندیزیوں کو جاوا اور دوسرے جزائر پر از سر نو فوجی قبضہ قائم کرنے میں مدد دینا شروع کر دیا اور ہندوستانیوں کے متفقہ احتجاج اور پرزور مطالبہ کے باوجود صرف ہندوستانی فوجوں کو انڈونیشیا سے واپس بھیجنے کا اعلان کیا۔

(۵) برطانیہ نے شرق اردن کی آزادی تسلیم کر لی لیکن اس معاہدہ میں فرمانروائے شرق اردن سے اپنا یہ حق منوا لیا کہ جن مقامات میں چاہے برطانوی فوج رکھے اور حکومت شرق اردن برطانوی فوج کی نقل و حرکت کے لئے مطلوبہ سہولتیں بہم پہنچائے۔

(۷) برطانیہ نے شام اور لبنان کی آزادی تسلیم کر لینے کے باوجود ان ممالک سے اپنی فوجیں واپس نہیں بلائیں۔

(۸) برطانیہ نے دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد وادی نیل سے اپنی فوجیں نہیں ہٹائیں اور مصریوں کے مطالبات کا اس کے سوا کوئی جواب نہیں دیا کہ ۱۹۳۶ء کے معاہدہ پر نظر ثانی کی گفت و شنید کے لئے تیار ہیں۔

(۹) برطانیہ کو عراق میں قدیم اڈوں پر فوجی حقوق حاصل ہیں اور فوجی نقل و حرکت کی حکومت عراق نے مستقبل قریب یا بعید میں وسعت پیدا ہونے کا

مشرق میں برطانیہ کی نئی پالیسی

مندرجہ بالا عنوان کے تحت روزنامہ شہباز لاہور نے لکھا کہ

"دوسری جنگ عظیم کے نتائج اور اثرات ماہبعد نے یورپ کی ملک گیر اور جوع الارض رکھنے والی اقوام کو دقیانوسی امپیریلسٹ نظام حکومت میں تبدیلیاں کرنے کے لئے مجبور کر دیا تو پیرس لندن اور ہیگ کے سرکاری اور نیم سرکاری حلقوں سے جمہوریت اور حق خود ارادیت کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور وہی سیاستدان جو چند ماہ پیشتر اپنے حاکمانہ اور آمرانہ اقتدار و اختیار میں سرمو کمی گوارا کرنے کے لئے بھی آمادہ نہ تھے علی الاعلان یہ کہنے لگے کہ ہر ایک قوم اپنی مرضی کے مطابق اپنے لئے نظام حکومت مرتب کرنے کا حق رکھتی ہے۔ برطانوی مدبروں نے بھی بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر اپنی قدیم پالیسی میں جو اب سراسر غیر مفید ہو گئی تھی تبدیلی کی ضرورت محسوس کی اور شام و لبنان کی آزادی تسلیم کر کے یہ ظاہر کیا کہ وہ عالمگیر انقلابی طاقتوں کی مزاحمت و مخالفت کرنا نہیں چاہتے۔

برطانیہ نے تقاضائے وقت سے متاثر و مجبور ہو کر اپنی فرسودہ پالیسی جس حد تک تبدیل کی وہ ان واقعات سے ظاہر ہے جو مشرق ادنیٰ اور مشرق بعید میں رونما ہوئے۔ مثلاً

(۱) برطانیہ نے مشرق ادنیٰ میں فرانس کے زیر انتداب ممالک شام اور لبنان کی آزادی تسلیم کر لی اور فرانس پر زور دیا کہ ان ممالک کے مطالبۂ حریت کی مخالفت نہ کرے۔

(۲) برطانیہ نے مشرق بعید میں فرانس کو ہند چینی پر از سر نو فوجی تسلط قائم کرنے میں مدد دی اور ہند چینی سے اس وقت اپنی فوج واپس طلب کی

الاقوامی کمیشن بھیجنے کا ارادہ نہیں کیا ہیں یہ دیکھ کر ذرا حیرت
آج آپ کیوں ایران کی ہمدردی میں گھلے جا رہے ہیں اور
ہی تجویز کر رہے ہیں ۔"

ضمیمہ نمبر ۳

بعض اخبارات کے تبصرے

ں ابتدا میں ہیں نے بعض اخبارات کی رائے پیش کرتے ہوئے اسلامی ممالک کی جمہوری تحریک کے تقاضوں کو سمجھنے سے ورجحان لو پیکر یاسب جانے پیچھے انگریزی شہنشاہیت کے ہے ہیں ہمارے ملک میں زیادہ تر اخباروں کا یہی حال ہے مگر ہے کہ ایسے اخبارات بھی موجود ہیں جو دیانتداری سے سازشیں انگریزوں کی سازشوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں یہاں پر جودہ مسائل کے بارے میں ایسے تین اخباروں کے اقتباسات جن سے اس کتاب میں ہم نے جو نقطہ نظر پیش کیا ہے اس ہے ۔ ان تین اخباروں میں شرف ہند کلکتہ یک ایسا اخبار ہے در پہ سوویت یونین کی حمایت کرتا ہے ۔ باقی دو اخبار شہباز لاہور الی ہیں جن کی سوویت دشمنی اور کمیونسٹ دشمنی اتنی مشہور ہے ن تیاسب دا کی کا الزام نہیں لگایا جا سکتا ۔

مجھے ایران کی سماجی یا سیاسی حالت کی کوئی واقفیت نہ تھی میں انہیں سمجھا بھی نہ تھا لیکن اسی دوران میں حزب تودہ قائم ہوئی اور میں اس کے رہنماؤں سے ملا۔ مرحوم سلیمان مرزا سے مل کر میں بہت متاثر ہوا اور حزب تودہ کے قائم ہونے کے دو مہینے کے اندر ہی اندر میں نے ممبری کے لئے درخواست دے دی۔ میری ممبری کے کارڈ کا نمبر ۱۵۰۰ تھا۔

سوال۔ کیا آذربائیجان کی تحریک کا مقصد ایران سے الگ ہونا اور ایران کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے؟

جواب۔ آذربائیجان کی حزب دموکرات (یعنی جمہوری پارٹی) نے اپنے بیانات اور اپنے روزناموں کے ذریعہ صاف اعلان کیا ہے کہ آذربائیجان ایران کا حصہ ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ دوسرے، مجھے پورا اطمینان ہے کہ سوویت یونین ایران کی ایک انچ زمین پر کبھی قبضہ کرنا نہیں چاہتا۔ آذربائیجان کی جمہوری تحریک دراصل ان چوبیس سالہ مظالم کا نتیجہ ہے جو ایران کے حکمران طبقہ نے آذربائیجان کے عام لوگوں پر ڈھائے ہیں۔

سوال۔ کیا یہ بہتر نہ ہو کہ ایک بین الاقوامی کمیشن بذات خود آ کر آذربائیجان کے حالات کا معائنہ کرے؟

جواب۔ گذشتہ چار سال سے حزب تودہ ایران اعلان کرتی رہی اور لکھتی رہی کہ ایران میں جمہوریت کا کہیں کوئی وجود نہیں۔ حزب تودہ کے دفتروں کو تباہ و برباد اور بند کیا جاتا ہے اتحادیہ کارگران اور حزب تودہ کے رہنما گرفتار کئے جا رہے ہیں نہتے مزدوروں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ہمارے روزناموں کو ضبط کیا جا رہا ہے۔ ایرانی پارلیمنٹ کے حزب تودہ کے ممبروں پر سرعام حملہ کیا جا رہا ہے۔ ہم نے یہ تمام حالات تفصیل سے بتلائے مگر آپ نے کبھی ان حالات

لیکن جن لوگوں نے ان الزامات کا ذرا گہرا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں جہاں کے آزادی خواہوں پر یہ الزام نہ لگایا گیا ہو میں اس سے کبھی انکار نہیں کرتا ہوں کہ حزب تودہ تمام ترقی پسند جمہوری حکومتوں کی طرح سوویت یونین کو تحسین اور احترام اور اعتماد کی نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ ہم فرانس کے لوگوں کا بھی احترام کرتے ہیں جو ڈیگول کی رہنمائی میں انگریزوں کی مدد سے اپنی آزادی کیلئے فاشسٹوں سے لڑتے تھے تیں یوگوسلاویہ، چیکوسلواکیہ، البانیہ، پولستان غرضیکہ ہر جگہ کے عوام کی جدوجہد آزادی سے دلچسپی اور ہمدردی ہے۔ ہمارے خیال میں اگر کسی ایک ملک میں جمہوریت کو شکست ہو تو ساری دنیا کی جمہوری تحریک پر کاری ضرب لگے گی۔ ہم جانتے ہیں کہ ایران میں گذشتہ چار برس میں جو جمہوری تحریک حزب تودہ کی رہنمائی میں پیدا ہوئی ہے۔ سوویت یونین اس سے ہمدردی رکھتی ہے مگر یہ سوویت یونین ہی پر کیا موقوف ہے۔ دنیا کے ہر سچے جمہوریت پسند کو اس سے ہمدردی ہونی چاہیئے۔

مجھے امید ہے اس سے آپ کی تشفی ہو جائے گی۔ لیکن اگر کوئی یہ سمجھے کہ ہم ذاتی اغراض کے لئے سوویت یونین سے ہمدردی کا سوانگ بھرتے ہیں تو ہم اس سوال کو اس لائق نہیں سمجھتے کہ اس کا جواب دیا جائے۔ لیکن جو لوگ حزب تودہ ایران کے افراد کی عملی اور اجتماعی حیثیت سے واقف ہیں وہ اس سوال پر ہنستے ہیں۔

سوال۔ کیا آپ ڈاکٹر کشاورز بھی ان تریپن آدمیوں میں تھے جنہیں رضا شاہ نے اپنے دور حکومت میں جیل میں بند کر دیا تھا؟

جواب۔ میں ان میں نہیں تھا۔ میں محض ایک سیدھا سادہ طبیب تھا۔

کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند کر دیا۔ ایران کے بڑے ممتاز روشن فکروں اور جمہوریت پسند مزدوروں کو اس نے برسوں جیل میں بند رکھا۔ ان میں سے اکثر جیل کے اندر ہی قتل کر دیئے گئے۔ اتحادیوں کے آنے پر رضا شاہ کو ایران سے نکال دیا گیا مگر اس کا آمریت پسند نظام جوں کا توں قائم رہا۔ وہی وزیر اور وہی مجلس کے ممبر ایران پر حکومت کرتے رہے۔ خائنوں کی وجہ سے ایران کے فسطائی ذہنیت رکھنے والے اپنے کیفر کردار کو نہیں پہنچ سکے۔ عوام نے بھی جنگ کے دوران تک ان کو ہٹانے کے لئے کوئی پیش قدمی نہیں کی انہیں ڈر تھا کہ اگر بدامنی ہوئی تو اتحادیوں کی جنگی مساعی کو نقصان پہنچے گا اور فاشزم پر جمہوریت کی فتح میں دیر ہو گی۔ اس لئے وہ حکمران طبقہ کی "دزدی اور فساد اور رشوت خوری" کو برداشت کرتے رہے۔

حزب تودہ اور اتحادیہ کارگران یعنی مزدور یونین ہی ایسی دو جماعتیں ہیں جنہوں نے ایران میں شروع سے فاشسٹوں کی مخالفت کی۔ ہمارے ہی ساتھیوں نے روزنامہ مردم پہلا فاشسٹ دشمن اخبار جاری کیا۔ جنگ کے دنوں میں بھی فسطائی عناصر ہمارے دفتروں پر حملے کرتے رہے اور ہمارے اخبارات جلاتے تھے۔ مگر ہم ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ ایران کے حکمران طبقہ اور ان کی جماعتوں میں بے ایمانی اور رشوت خوری عام ہے، مگر تودہ پارٹی ان تمام آلائشوں سے پاک ہے۔ ہماری جماعت میں بہت بڑی تعداد کالج کے پروفیسروں، تعلیم یافتہ لوگوں اور روشن فکروں کی ہے۔

ہمارے مخالفین ہمارے حزب تودہ اور اس کے ممبروں پر چوری، بے ایمانی اور رشوت خوری کا الزام نہیں لگا سکتے۔ یہ تو ان کی اپنی خصوصیت ہے اس لئے وہ ہمیں بدنام کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ ہمیں سویت یونین سے مدد ملتی ہے

شائع کیا ہے اور اس کو منظور کرانے کی کوشش کی ہے۔ اس پروگرام میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ "سرکاری زمینیں اور بڑی بڑی زمینداریاں ان کے مالکوں سے خرید کر چھوٹے چھوٹے کسانوں کے ہاتھ قسط پر فروخت کر دی جائیں۔ ایک زرعی بنک قائم کر لیا جائے تو یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے اس سے ایران میں زراعت بہت ترقی کرے گی۔ اور پھر صنعت و حرفت کی ترقی کی راہیں بھی کھل جائیں گی۔"

سوال۔ آپ نے کہاں تعلیم پائی اور آپ کا عملی شغل کیا تھا؟

جواب۔ (ڈاکٹر کشاورز) میں نے پیرس کے طبی کالج سے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی۔ میں بچوں کے امراض کا ماہر ہوں۔ میں دانشگاہ تہران میں استاذ بھی ہوں۔

سوال۔ کیا یہ صحیح ہے کہ حزب تودہ ایران کو سوویت یونین سے مدد ملتی ہے؟

جواب۔ اس سوال کا تسلی بخش جواب دینے کے لئے ہمیں ایران کی پچھلی تاریخ اور خصوصاً آمریت کے زمانے پر نگاہ ڈالنی پڑے گی۔

آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۹۲۱ء میں سید ضیاء الدین ضیا طباطبائی نے انگریزوں کی فوجی مدد سے ایران میں انقلاب حکومت برپا کیا اور خود وزیر اعظم بن بیٹھا۔ اس انقلاب نے کاسک دستے کے کمانڈر رضا خاں کو وزیر جنگ بنا دیا۔ اس شخص نے انگلستان کی مدد سے ایران میں اپنی آمریت قائم کر لی۔ رضا شاہ کی حکومت کیا تھی؟ نہایت شدید اور سخت آمریت تھی۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وحشت و بربریت میں اس نے جرمنی اور اٹلی کی نازیت اور فاشیت کو بھی مات کر دیا تھا۔ رضا شاہ نے تمام آزادی پسند جماعتوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ اس نے تمام آزادی پسند نوجوانوں کو جیلوں

جواب - مجموعی طور پر ہمیں ایک لاکھ پچاس ہزار ووٹ ملے ۔
سوال - حزب تودہ' ایران میں کیا کرنا چاہتی ہے ؟
جواب - اگر آپ حزب تودہ کے پروگرام کا مطالعہ کریں تو آپ کے سوال کا جواب مل جائے گا ۔ میں آپ کی اطلاع کے لئے اس کی چند دفعات پڑھ کر سنائے دیتا ہوں ۔

دفعہ ۱ - حزب تودہ ایران کے مظلوم طبقوں یعنی مزدوروں، کسانوں اور آزادی پسند روشن خیالوں اور پیشہ وروں کی جماعت ہے ۔

دفعہ ۲ - حزب تودہ' ایران کی مکمل آزادی اور تمامیت کی علم بردار ہے اور ہر قسم کی استعماری (سامراجی) سیاست کے خلاف سختی سے جدوجہد کرتی ہے

دفعہ ۳ - حزب، تودہ' دنیا کے تمام ملکوں سے دوستانہ تعاون قائم رکھنا چاہتی ہے جس کی بنیاد یہ ہو کہ تمام قوموں کے حق مساوی ہوں اور سب مل کر دنیا میں امن وامان قائم رکھیں ۔

دفعہ ۴ - حزب تودہ ایک پائیدار قومی حکومت اور جمہوری نظام قائم کرنا چاہتی ہے ۔

دفعہ ۵ - حزب تودہ بوسیدہ اقتصادی نظاموں مثلاً قدیم شبانی (گلہ بانی) اور جاگیری نظام کی سخت مخالف ہے اور ملک کو ایک مرکزی منصوبے کے مطابق اقتصادی ترقی دینا چاہتی ہے تاکہ ایران کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو ۔

سوال - ایران کے کسانوں کے لئے حزب تودہ نے کیا تجویز پیش کی ہے ؟
جواب - ایرانی مجلس میں حزب تودہ ہی ایک ایسی جماعت ہے جس نے کسانوں کی شکایتیں دور کرنے کے لئے ایک صریح اور واضح پروگرام

ضمیمہ نمبر ۲

حزب تودہ کا پروگرام

لندن کے مختلف اخباروں مثلاً ڈیلی ایکسپریس اور ڈیلی ٹیلیگراف اور رائٹرز کے نمائندوں نے کچھ دن ہوئے حزب تودہ کے موجودہ لیڈروں ڈاکٹر کشاورز اور ڈاکٹر رادمنش سے ملاقات کی اور ان سے چند سوالات کئے ان سوالات اور جوابات کا خلاصہ تہران کے روزنامہ ایران ما میں شائع ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

سوال ۔ حزب تودہ ایران کے ممبروں کی تعداد کیا ہے ؟

جواب ۔ اگر ہم کسی جمہوری ملک میں ہوتے تو آپ کے سوال کا جواب دینا آسان تھا لیکن ہم جس ملک میں کام کرتے ہیں وہاں جمہوریت کا نام و نشان نہیں ہماری پارٹی کے ممبر گرفتار کر کے جیلوں میں بند کر دیئے جاتے ہیں ہمارے نمائندوں کو گولی سے اڑا دیئے جاتے ہیں ۔ مزدوروں کی انجمنوں اتحادیہ کارگران کو جسے عالمگیر ٹریڈ یونین کانگرس بھی تسلیم کر چکی ہے غیر قانونی قرار دیا جاتا ہے ۔ ہمارے چالیس اخباروں کو حکومت نے ابھی تک بند کرنے کا حکم جاری کیا ہے ۔ ایسی حالت میں مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے سوال کا جواب نہ دوں ۔

سوال ۔ حزب تودہ کی تشکیل [illegible] ؟

قبیلوں کو مسلح کرنا شروع کیا۔ ایک سال سے وہ قشقئی اور بلوچ قبائل کو جنگی تربیت دے رہے ہیں۔

"آذربائیجان کی ڈیموکریٹک پارٹی — حزب دموکرات — کے بارے میں طرح طرح کی باتیں پھیلائی گئی ہیں کہ وہ ایران سے الگ ہونا چاہتی ہے اور باغیانہ اور کمیونسٹ خیالات کی حامی ہے۔ مگر یہ سب باتیں غلط ہیں اور آذربائیجان کی قومی کانفرنس نے ایک اعلان نامہ شائع کرکے یہ صاف بتادیا ہے کہ اس کا مقصد ایرانی ریاست کے حدود کے اندر آذربائیجان میں ایک خودمختار حکومت قائم کرنا ہے۔ لیکن اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر آذربائیجانیوں کی جدوجہد کو کچلنے کی کوشش کی گئی تو اس کا سختی سے مقابلہ کیا جائے گا۔ قومی کانفرنس کے پروگرام میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ آذربائیجان کے اسکولوں، سرکاری محکموں اور اخباروں میں آذربائیجانی زبان استعمال کی جائے۔"

مسٹر اسٹیل — مسٹر شاہانی، آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے ہمیں ایران کے تاریخی حالات بتائے جو یہاں لوگوں کو عام طور پر معلوم نہیں۔ اب ہمیں ایران کے حالات اور مسائل کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہوگی۔ آپ کے خیال میں ایران میں اب کیا ہوگا؟

مسٹر شاہانی — جب تک انگریز ایران کے سرمایہ داروں اور حکمران طبقہ سے سازباز کرتے رہیں گے۔ اس وقت تک جھگڑا بھی قائم رہے گا اور ممکن ہے خانہ جنگی کی صورت اختیار کرلے اور اس کی وجہ سے دنیا کی بڑی طاقتوں میں بھی اختلافات پیدا ہوں گا۔

کی بھی اجازت نہیں دی۔

ایسی چالبازیوں سے انگریزوں نے مجلس ملی میں سید ضیا کی اکثریت قائم کر لی۔ اور انہوں نے اسی پر بس نہیں کیا جنوبی ایران کے نمائندے پہلے تہران پہنچ گئے اور انہوں نے مجلس ملی کا جلسہ کر کے شمال کے بہت سے سچے نمائندوں کو مجلس ملی سے خارج کر دیا۔

تودہ پارٹی کو سید ضیا اور ایرانی حکومت دونوں مل کر کچل ڈالنا چاہتے تھے حکومت نے تودہ پارٹی کے اخبارات بند کر دیئے ان کے جلسوں اور مظاہروں کو پولیس کے ذریعہ روک دیا۔ مزدور سبھاؤں یعنی اتحادیہ کارگراں کے خلاف پولیس اور فوج استعمال کی اور جب سید ضیا کے غنڈوں نے تودہ پارٹی کے دفتروں پر حملہ کیا تو حکومت نے پولیس کو مداخلت کرنے سے روک دیا۔

لیکن اس کے باوجود تودہ پارٹی کی مقبولیت دن دونی رات چوگنی بڑھتی رہی۔ تودہ پارٹی زمینداری نظام میں اصلاح کرنا اور ایران میں مکمل جمہوری نظام قائم کرنا چاہتی ہے۔ وہ نوابوں کے مظالم اور حکمراں طبقہ کی رشوت خوری اور عہدیداروں کی بدعنوانی کی مخالفت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ممبروں کی تعداد میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوتا رہا اور اس کے اخباروں کی مقبولیت اور اشاعت اتنی بڑھ گئی کہ سید ضیا کے اخبار رعد امروز کی اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہ رہی۔

۱۹۴۴ء کے آخر میں یہ حقیقت کسی سے چھپی نہ رہی کہ ایران میں جنوب اور شمال میں ہر طرف سب سے بڑی اور مضبوط پارٹی تودہ پارٹی ہے۔ اس لئے تودہ پارٹی کا مقابلہ کرنے اور اسے کچلنے کے لئے رجعت پسندوں نے نئی تیاریاں شروع کیں۔ انگریزوں نے اس غرض سے جنوبی ایران کے خانہ بدوش

کا پانسہ پلٹنے کے بعد اب جمہوریت پسندوں سے تعاون کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔ ۱۹۴۲ء کے آخر سے انگریزوں نے باقاعدہ تودہ پارٹی کی مخالفت شروع کر دی اور اس غرض سے وہ ایک ایسے شخص کو ایران لائے جو بیس برس سے ایران کی سیاسی زندگی سے الگ ہو چکا تھا۔ یہ شخص سید ضیاء الدین طباطبائی تھا جس کی رجعت پسندی رضا شاہ سے بھی کہیں زیادہ تھی۔

"سید ضیاء الدین فلسطین میں رہا کرتا تھا اور اس کے ایران جانے سے چند مہینے پہلے میں وہاں اس سے ملا تھا اس نے مجھ سے کہا کہ میری سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ جب میں تین ماہ کے لئے وزیر اعظم بنا تو میں نے اپنے مخالفوں کو جیل بھیجنے کے بجائے انہیں قتل نہیں کرایا! سید ضیاء کے ایران آتے ہی ایک جماعت اس کے گرد جمع ہونے لگی۔ اس جماعت میں وہ سب ذخیرہ باز اور منافع خور شامل تھے۔ جنہوں نے رضا شاہ کے عہد میں اور اس کے بعد اتحادیوں کے قبضہ کے دوران میں عوام کو لوٹ لوٹ کر خوب خوب نفع کمایا تھا اور جمہوری تحریک سے ڈرتے تھے۔ انہوں نے سید ضیا کو بیشمار روپیہ دیا اور انگریزوں نے سید ضیا کی سیاسی کامیابی کے لئے اپنے ایرانی گماشتے مہیا کئے اور یہ انتظام کیا کہ الکشن میں جنوبی ایران سے سید ضیا کے آدمیوں کے سوا اور کوئی منتخب نہ ہونے پائے اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انگریزوں نے مجلس ملی کے بہت سے ممبروں کو جو سید ضیا کے مخالف تھے اپنے حلقہ انتخاب میں پہنچنے نہیں دیا۔ ایسا ہی ایک امیدوار خرم شہر کے ایک اخبار کا اڈیٹر تھا۔ انگریزوں نے جب اسے اپنے حلقہ انتخاب میں نہیں جانے دیا تو اس نے امریکہ جانا چاہا مگر انگریزوں نے اس

میں جب جنگ چھڑی تو رضا شاہ نازیوں کا طرفدار تھا۔

پھر جرمنی نے سویت یونین پر حملہ کیا۔ اس واقعہ کے بعد ایران میں جرمن ایجنٹوں کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں اور اتحادیوں نے رضا شاہ سے مطالبہ کیا کہ تمام جرمن ایجنٹ گرفتار کر کے ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔ رضا شاہ کے انکار پر انگریزی اور سویت فوجیں ایران میں داخل ہو گئیں۔ تین دن کے اندر اندر رضا شاہ کی فوج نے جس پر ایرانی حکومت کی تقریباً ساری آمدنی خرچ کی جاتی تھی ہتھیار ڈال دیئے۔ ایران کے لوگوں نے اس واقعہ کا اور ایران سے اتحادیوں کے عہد نامہ کا خیر مقدم کیا۔ کیونکہ اس عہد نامہ کی وجہ سے ہزاروں سیاسی قیدیوں کو رہائی اور ایران کے اخباروں کو آزادی ملی۔ ایران میں عوامی پارٹی ——— حزب تودہ ——— قائم ہوئی جس کے بانی وہ کمیونسٹ اور اعتدال پسند تھے جو ابھی ابھی جیلوں سے چھوٹے تھے۔ انگریزوں نے اس تودہ پارٹی کی حمایت کی گرچہ ان کی حمایت بہت محدود تھی۔

تودہ پارٹی کا دروازہ ہر اس ایرانی کے لئے کھلا ہوا تھا جو اس کے پروگرام سے متفق ہو، جو فسطائیت کے خلاف جدوجہد کرنے پر آمادہ ہو، جو ان لوگوں کو سزا دلوانا چاہتا ہو جو رضا شاہ کے عہد میں ایرانی عوام پر ظلم و ستم کرتے تھے، جو رضا شاہ کی ضبط کی ہوئی جائدادوں کو واپس دلوانا چاہتا ہو اور بنیادی حقوق مثلاً اخبارات کی آزادی وغیرہ کا حامی ہو۔

لیکن ایران کے ترقی پسندوں سے انگریزوں کی یہ ہمدردی جلد ہی ختم ہو گئی۔ اسٹالن گراڈ میں سویت فوجوں کی کامیابی نے جنگ کا پانسہ پلٹا اور ہٹلر کو خطرہ دکھائی دیا تو تہران میں برطانوی سفارت خانے کے لوگوں نے آس پاس نظر دوڑائی۔ ایران میں تودہ پارٹی کا بڑھتا ہوا سیلاب دیکھ کر گھبرا اٹھے جنگ

تحریک کے بارے میں کچھ بتائیں جو آپ کی رائے میں ایران کے عوام کی تحریک ہے
شاہ شاہانی — چالیس سال پہلے کا ذکر ہے کہ ایران کے لوگوں نے انقلاب کا جھنڈا اٹھایا۔ بہت دنوں تک جدوجہد ہوتی رہی۔ آخر میں پارلیمانی طرزِ حکومت قائم ہوئی اور ایک آئین مرتب ہوا۔ لیکن غیروں کی مداخلت کا دروازہ بند نہ ہوا تھا۔ انقلاب کو کچلنے کی کوشش کی گئی۔ غیر ملکی سامراجیوں اور ان کے ایرانی گماشتوں نے نوخیز جمہوریت کو کمزور کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

"پھر ۱۹۱۷ء میں روس کے لوگوں نے زارِ روس کا تختہ الٹ دیا۔ اس واقعہ کے بعد ایران کے متعلق ساری پالیسی بدل گئی۔ اب تک زارِ روس کے حوصلوں کی مخالفت کرنے کے لئے انگریز بظاہر ایران کے جمہوریت پسندوں سے بڑی ہمدردی ظاہر کرتے تھے۔ اب ان کی کوشش ہوئی کہ نئی سویت ریاست کے پڑوس میں کسی مضبوط اور جابر آدمی کی آمریت قائم ہو جو سویت انقلاب کو بڑھنے اور پھیلنے سے روک سکے۔

"رضا خاں ایسا ہی آدمی تھا

"پہلے تو اس کا ارادہ تھا کہ ایران میں بھی یورپ کے ملکوں کی طرح ایک جمہوری حکومت قائم ہو۔ مگر اس نے نپولین کا راستہ اختیار کیا اور جمہوریت قائم کرنے کے بجائے اپنے آپ کو ایران کا بادشاہ بنا دیا۔

"سترہ سال تک وہ نہایت خودسری اور مطلق العنانی سے حکومت کرتا رہا لیکن ایران کے عوام ایک بار جمہوری حکومت کا مزہ چکھ چکے تھے وہ اسے بھولے نہیں

"اس دوران میں جرمنی میں ہٹلر کا عروج ہوا اور رضا شاہ نے محسوس کیا کہ برطانیہ کے مقابلہ میں ہٹلر اس کا زیادہ بڑا دوست بن سکتا ہے، چنانچہ ۱۹۳۹ء

ضمیمہ نمبر ا

رضا شاہ شاہانی کا بیان

شاہ شاہانی ایران کے مشہور اخبار نویسوں میں ہے۔ وہ پیرس میں ایرانی خبر رساں ایجنسی کا صدر رہ چکا ہے اور جنگ کے زمانے میں ایران میں امریکی دفتر اطلاعات جنگ کا افسر اعلیٰ تھا۔ شاہ شاہانی سے امریکہ کے ایک اعتدال پسند خبر نگار جوہانس اسٹیل نے چند سوالات کئے تھے۔ سوالات اور جوابات ریڈیو سے نشر کئے گئے تھے جن کے بعض حصے یہاں درج کئے گئے ہیں۔

مسٹر اسٹیل نے پوچھا — آپ نے پڑھا ہوگا کہ امریکہ میں ایران کے سفیر نے اکثر امریکہ سے مداخلت کی درخواست کی اور اس سلسلے میں بیانات بھی دیئے ہیں اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

مسٹر رضا شاہ شاہانی — ایران کے سفیر امریکہ حسین علا نے کہا ہے کہ ایران کے شمالی حصوں میں جس تحریک کے سوتے پھوٹے ہیں۔ اس کے پیچھے دوسروں کا ہاتھ ہے۔ اسے ایران کے لوگوں کی حمایت حاصل نہیں۔ حسین علا ایران کے لوگوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ وہ ہمیشہ وزیر کی حیثیت سے بادشاہ کے دربار سے وابستہ رہے یا کچھ دنوں نیشنل بنک کے گورنر تھے۔ انہیں ایران کے عوام سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔

مسٹر اسٹیل — مسٹر شاہ شاہانی اچھا ہو کہ آپ ہمیں شمالی ایران کی اس

کو اصلی مسائل کا سامنا کرنا ہے اور جتنی تیزی اور مستعدی سے وہ ایران کے "دہقانوں، کارگروں اور روشن فکروں" کو متحد اور منظم کریں گے، کسانوں کو زمین دیں گے، مزدوروں کی اُجرت بڑھائیں گے، تمام بالغ ایرانی مردوں اور عورتوں کو مجلس ملی کے انتخاب میں حصہ لینے کا حق دیں گے، مختصر یہ کہ جتنی جلدی وہ حقیقی ایرانی جمہوریت کی داغ بیل ڈالیں گے، اتنی ہی جلدی وہ ایرانی عوام کے دشمنوں، انگریزوں اور امریکیوں اور ان کے ایرانی پٹھوں کو مکمل شکست دے سکیں گے۔ ایران میں خانہ جنگی کے شعلے نہیں بھڑکنے پائیں گے اور دنیا کا امن و امان سلامت رہے گا۔

ایران کا مستقبل اور دنیا کی سلامتی، ایران کے جمہوریت پسندوں کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی ذمہ داری بڑی ہے۔ مگر ان کی طاقت بھی بڑی ہے۔ ایران کے عوام اُن کے پیچھے ہیں اور ساری دنیا کی دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ ایران کی کامیابی یقینی ہے!

اجرت ادا کرے گا۔ اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے گا۔ اور مزدوروں کو اپنی تنظیم کا موقعہ دے گا۔

ایک طرف اس مشترکہ کمپنی کی شرائط رکھئے اور دوسری طرف جنوب کی اینگلو ایرانی آئل کمپنی کی شرائط جس میں ایرانیوں کا کوئی حصہ نہیں جس میں انہیں اپنی ضرورتوں کے لئے بھی تیل نہیں ملتا مزدوروں کی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہیں اور نہ انہیں اپنی طبقاتی تعلیم کی اجازت ہے۔ انگریزوں کو ابھی سے یہ خوف ہو چلا ہے کہ سویت ایرانی کمپنی کے حالات دیکھ کر جنوب کی انگریزی کمپنی کے خلاف سخت بے چینی پھیلے گی۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ آذربائیجان میں ضروری اصلاحات نافذ کی جائیں سویت نے صاف اعلان کیا ہے کہ آذربائیجان کا مسئلہ ایران کا اندرونی مسئلہ ہے اور اس مسئلہ کو اسے خود اپنی اقلیتوں کو مطمئن کرکے حل کرنا چاہیے۔

یہ معاہدہ دراصل انگریز اور امریکی سامراجیوں کی شکست اور ایرانی جمہوریت پسندوں کی فتح ہے۔ یہ معاہدہ بتا رہا ہے کہ سفینۂ ایران کے ناخداؤں نے اپنے ملک کی نجات کا راستہ پا لیا ہے۔ لیکن اس راستے پر آگے بڑھنے کے لئے بڑی سخت جدوجہد کرنی ہوگی۔ سامراجیوں کی یہ پہلی شکست ہے۔ ان کی سازشیں جاری رہیں گی۔ جنوب کے رجعت پسند قبائلی سرداروں کو وہ ایرانی جمہوریت پسندوں کے خلاف بھڑکاتے رہیں گے وہ کوشش کرینگے کہ ایران میں خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھیں اور ایران اپنی آگ میں آپ جل کر بھسم ہو۔ ان کی آرزو ہے کہ ایران کا گھر جلے اور سامراجی آگ تاپیں!

یہ بڑا بھیانک خطرہ ہے مگر حقیقی خطرہ ہے۔ ایران کے جمہوریت پسندوں

کی مرضی کے خلاف ان کے باہمی تعلقات کے مسئلے پر بحث کرے لیکن جب سامراجیوں نے سویت یونین کے احتجاج پر توجہ نہیں دی تو سویت نمائندہ کو مجبوراً مجلس تحفظ کے جلسہ سے اٹھ آنا پڑا۔

سامراجیوں کو امید نہ تھی کہ سویت یونین ان کی شرارتوں کے خلاف اتنا سخت قدم اٹھائے گا۔ سویت نمائندے کے چلے جانے سے ان کی ساری چال ناکام ہوگئی اور انہیں مجبوراً ایرانی مسئلہ کا مباحثہ مئی تک کے لئے ملتوی کرنا پڑا۔ سویت اور ایران کی گفت و شنید میں سامراجیوں کو مداخلت کا کوئی موقعہ نہ ملا۔ اور ان کی تمام سازشوں اور مخالفتوں کے باوجود سویت یونین اور ایران میں سمجھوتہ ہوگیا۔

۵ راپریل ۱۹۴۶ء کو تہران میں وزیراعظم قوام السلطنتہ اور سویت سفیر نے جس معاہدے پر اپنے دستخط ثبت کئے اس کی شرائط یہ ہیں۔

۱۔ ۲۴ مارچ سے چھ ہفتہ کے اندر اندر سویت فوجیں ایران سے چلی جائیں گی۔

۲۔ ایک مشترکہ سویت ایرانی تیل کمپنی قائم کی جائے گی جسے پچاس برس تک شمالی ایران میں تیل نکالنے کا اختیار ہوگا۔ پہلے پچیس برسوں تک اس کمپنی میں سویت کے اکاون اور ایران کے انچاس فیصدی حصے ہوں گے اور منافع اسی تناسب سے تقسیم کیا جائے گا۔ دوسرے پچیس برسوں میں سویت کے انچاس اور ایران کے اکاون فی صدی حصے ہوجائیں گے۔ ایران اپنے حصہ کا تیل جہاں سب سے زیادہ قیمت ملے فروخت کرسکے گا۔ تمام اخراجات کی ذمہ داری سویت پر ہوگی۔ وہی تمام مشینیں مہیا کرے گا۔ مزدوروں اور ماہر کارکنوں کی

گفت و شنید جاری تھی اور کئی مسائل پر تصفیہ باقی تھا کہ ۱۷ مارچ کو یہ خبر شائع ہوئی کہ امریکی حکومت نے حکومت ایران کو چوبیس گھنٹے کی مہلت دی ہے کہ اگر اس مدت میں ایران نے مجلس تحفظ کے پاس سوویت یونین کے خلاف شکایت نہیں بھیجی تو امریکہ خود ایران کی طرف سے یہ شکایت پیش کرے گا۔

انگریز اور امریکی سامراجیوں کی چال یہ تھی کہ ایران کا مسئلہ مجلس اقوام میں جہاں آج کل اُن کی اور اُن کے گماشتوں کی اکثریت ہے پیش ہو تو انہیں بھی اس میں دراندازی کا موقعہ ملے اور وہ ایران کو سوویت یونین کے خلاف اچھی طرح بھڑکا سکیں۔

سامراجیوں کی اس سازش میں ایران کا سفیر امریکہ حسین علی بھی شریک ہو گیا۔ اس شخص نے ایرانی حکومت کی اجازت اور ہدایت کے بغیر امریکہ کے اشارے پر مجلس تحفظ میں ایران کا مسئلہ پیش کر دیا۔ ایران کے وزیر اعظم قوام السلطنۃ کو اعلان کرنا پڑا کہ انہوں نے اس کی اجازت نہیں دی۔ حکومت ایران کے سرکاری نمائندے پرنس مظفر فیروز نے تہران سے ۳۰ مارچ کو بیان دیتے ہوئے حسین علی کی کارروائیوں کی مذمت کی۔

۲۶ مارچ کو جب نیویارک امریکہ میں انجمن اقوام متحدہ کی مجلس تحفظ کا جلسہ ہوا تو سوویت یونین کے نمائندے گرامیکو نے مطالبہ کیا کہ ایران کے مسئلہ پر اس اجلاس میں بحث نہ کی جائے کیونکہ اقوام متحدہ کے دستور کے مطابق مجلس تحفظ میں وہی مسائل پیش کئے جا سکتے ہیں جس سے دنیا کے امن میں خلل پڑنے کا خطرہ ہو اور وہ بھی ایسے وقت میں جبکہ فریقین میں جن میں اختلاف ہو بات چیت کی گنجائش باقی نہ رہے۔ لیکن سوویت یونین اور ایران میں بات چیت جاری ہے اور اس لئے مجلس تحفظ کو کوئی حق نہیں کہ سوویٹ یونین اور ایران دونوں حکومتوں

اور ایران کے راستے سے - اور یہ کوئی بے بنیاد خطرہ نہیں، سنہ ۱۹۱۸ء میں انقلاب روس کے بعد بحر کیسپین کی ایرانی بندرگاہوں کے ذریعہ انگریزوں نے باکو اور سویت یونین کے دوسرے علاقوں پر حملہ کیا تھا۔ سامراجی پھر اسی موقعہ کی تلاش میں ہیں۔

ایران کے جنوبی قبیلوں کو ملا کر انگریزوں نے جو جنگی تیاریاں کی ہیں، سویت یونین ان سے بھی ناواقف نہیں۔ انگریزوں کو پورا یقین تھا کہ اس وقت مرکز میں کوئی منضبط حکومت نہیں۔ اس لئے ان کی ساختہ پرداختہ قبائلی فوج بڑی آسانی سے مرکزی حکومت پر قبضہ کر سکے گی۔ انگریزوں کو انتظار صرف یہ تھا کہ ۲ر مارچ کو سویت فوجیں ایران سے چلی جائیں۔ اس کے بعد اطمینان سے یہ کارروائی عمل میں لائی جائے۔

انہیں حالات کو دیکھتے ہوئے ۲ر مارچ کو سویت حکومت نے اپنی پوری فوجیں ایران سے نہیں ہٹائیں بلکہ اعلان کیا کہ سویت فوجیں اس وقت تک ایران میں رہیں گی جب تک سیاسی مطلع صاف نہ ہو جائے اور جب تک سویت یونین کو یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ ایرانی حکومت کو آلہ کار بنا کر سویت یونین پر حملہ نہ کیا جائے گا سنہ ۱۹۲۱ء کے معاہدے کی رو سے سویت یونین کو اس کا پورا حق تھا۔

اس دوران میں سویت حکومت اور حکومت ایران میں گفت و شنید جاری تھی اور سویت حکومت نے وزیراعظم ایران سے صاف کہہ دیا تھا کہ "تمہیں روس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہارے ملک میں ہم ایرانیوں سے نہیں بلکہ انگریزوں سے لڑ رہے ہیں۔" (روزنامہ فری پریس - مورخہ ۱۴ر مارچ)

سویت اور ایرانی حکومتوں کی گفت و شنید کا نتیجہ یہ نکلا کہ سویت حکومت نے اعلان کیا کہ اگر کوئی اچانک اور غیر معمولی واقعہ نہ پیش آجائے تو چار چھ ہفتوں میں سویت فوجیں ایران سے واپس چلی جائیں گی لیکن ابھی دونوں حکومتوں کی

کے عوام اٹھ کھڑے ہوئے اور دنیا کے ہر حصے میں جمہوری تحریکوں کا ایک سیلاب ہے جو تمام سامراجی طاقتوں کو خس وخاشاک کی طرح بہائے لئے جا رہا ہے ان کے دیکھتے دیکھتے کتنے بادشاہوں کے تخت چھینے گئے۔ سارے مشرقی یورپ کے لوگوں نے اپنے اپنے ملکوں میں جاگیرداری اور زمینداری نظام کو مٹا ڈالا۔ اور زمینیں کسانوں نے آپس میں تقسیم کر لیں۔ اب انقلاب کی لہریں یورپ سے ہو کر افریقہ اور ایشیا کے ساحلوں تک جا پہنچی ہیں۔ سامراج کی بنیادیں ڈگمگانے لگی ہیں۔ سامراجی ان گرتی ہوئی دیواروں کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ ساری دنیا میں جمہوری تحریکوں کو کچلنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ صاف دیکھ رہے ہیں کہ انقلاب اور آزادی کا پاسبان سوویت یونین ان کا راستہ روکے کھڑا ہے۔ اور اس منزل پر پہنچ کر چرچل سے لے کر حکومت ہند کے کسی معمولی افسر تک ہر انگریز جس کا دماغ حکمرانی کے نشہ سے خراب ہو چکا ہے سوویت یونین کے خلاف جنگ کا نعرہ مارنے لگتا ہے۔ انگلستان کے اعتدال پسند اخبار نیو اسٹیٹس مین اینڈ نیشن نے ۱۵ مارچ کو لکھا کہ "اگر کوئی شخص مشرقی یورپ کے کسی ملک میں انگریزی سفارت خانے میں چلا جائے تو وہاں وہ دیکھے گا کہ کھلم کھلا سوویت یونین کے خلاف جنگ کرنے کے منصوبے باندھے جا رہے ہیں۔"

سوویت یونین انگریز سامراجیوں کے ان منصوبوں سے ناواقف نہیں وہ یہ بھی جانتا ہے کہ انگریزوں کو سوویت یونین پر حملہ کرنے کا موقع اب فن لینڈ یا پولینڈ یا مشرقی یورپ کے کسی ملک سے نہیں مل سکتا۔ کیونکہ ان ملکوں میں انگریزوں کے ایجنٹوں کا تختہ ہمیشہ کے لئے اُلٹ چکا ہے۔ اور انگریز اور امریکہ اب اگر خشکی کے راستے سوویت یونین پر حملہ کر سکتے ہیں تو مشرق وسطیٰ کے ملکوں

واشنگٹن میں ایرانی سفارت خانوں کو اعلان کرنا پڑا کہ انہیں سوویت فوجوں کی نقل وحرکت کی کوئی خبر نہیں ملی ہے۔ ایران کے وزیراعظم سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی کہا کہ انہیں اس کی قطعی کوئی اطلاع نہیں۔ سوویت کے تمام نامہ نگاروں نے بھی باقاعدہ طور سے اس خبر کی تردید کی۔ مگر انگلینڈ اور امریکہ کی حکومتوں کا مقصد کچھ اور تھا۔ ان کے نامہ نگار بھلا ان تردیدوں سے کب ماننے والے تھے۔

چنانچہ ۱۵ مارچ کو ایسوشی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے سیاسی نامہ نگار نے ایران کے وزیر جنگ جنرل احمد احمدی کا بیان شائع کیا کہ روسی فوجیں تہران سے پچیس میل کے فاصلہ پر ہیں۔ ایرانی فوج اور ایران کا ہر مرد، عورت اور بچہ جب تک دم میں دم ہے، تہران کی حفاظت کرے گا۔" وزیر جنگ کا اعلان پڑھ کر ساری دنیا میں سنسنی پھیل گئی۔ لوگوں نے سوچا کہ اب کوئی دم میں سرخ فوجیں تہران پر حملہ کریں گی اور ایک نئی جنگ کا آغاز ہو جائے گا۔ لیکن دوسرے ہی دن جنرل احمد احمدی نے تردید کی کہ انہوں نے اس قسم کا کوئی اعلان شائع نہیں کیا۔ اور جتنی باتیں ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ وہ سر سے پیر تک جھوٹ اور من گھڑت ہیں۔" (بمبئی کرانیکل ۱۷ مارچ)

اس تردید کے بعد مطلع بڑی حد تک صاف ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ۲ مارچ کو سوویت فوجیں ایران میں جہاں تھیں وہاں سے انہوں نے ایک قدم آگے نہیں بڑھایا اور نہ سوویت یونین سے مزید فوجیں یا سامان جنگ منگوایا۔ لیکن انگریز اور امریکہ تو اپنے پروپیگنڈے کے ذریعہ ساری دنیا کو یقین دلانا چاہتے تھے کہ سوویت یونین ایران اور دوسرے اسلامی ملکوں پر حملے کی تیاری کر رہا ہے تاکہ اس بہانے وہ خود سوویت یونین پر حملہ کرنے کے لئے فضا تیار کر سکیں۔

انگریز سامراجی دیکھ رہے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے ختم ہوتے ہی ہر ملک

گیا کہ اس شکایت پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ابھی سوویٹ یونین اور ایرانی حکومت میں بات چیت ہو رہی ہے۔

حکیمی کے بعد ایران میں اعتدال پسند جماعت کے رہنما قوام السلطنۃ کی وزارت بنی۔ قوام السلطنۃ بذات خود کبھی ترقی پسند نہیں رہا بلکہ ایک زمانہ میں وہ ایران کے جمہوریت پسندوں کا سخت دشمن تھا۔ لیکن آج جمہوریت پسندوں کی عام مقبولیت اور طاقت دیکھکر اسے یہ احساس ہوگیا ہے کہ ان سے لڑکر کوئی جماعت ایران کا بھلا نہیں کر سکتی۔ قوام السلطنۃ ایران کو انگریزوں کے حوالے نہیں کرنا چاہتا۔

قوام السلطنۃ نے قلمدانِ وزارت سنبھالتے ہی سوویٹ یونین سے سمجھوتے کی گفتگو شروع کی لیکن انگریز اور امریکی دل سے سمجھوتے کے مخالف تھے۔

چنانچہ یکم مارچ کو سوویٹ حکومت نے جب اعلان کیا کہ سوویٹ فوجیں شمال مشرق سے فوراً ہٹ جائیں گی لیکن شمال مغرب میں اس وقت تک رہیں گی۔ جب تک ایران کا سیاسی مطلع صاف نہ ہو جائے۔ انگریزوں کی نامہ نگار ایجنسیوں نے افواہ اڑائی کہ سوویٹ یونین ایران پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ ہر طرف ایک زبردست ہنگامہ شروع ہو گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ جنگ اب چھڑی اور تب چھڑی، اور اس تمام پروپگنڈے میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی کہ سوویٹ یونین تمام اسلامی ملکوں پر قبضہ کرنے کے لئے جنگ چھیڑنا چاہتی ہے۔ امریکہ کے سرکاری محکمہ نے شور کیا کہ سرخ فوجیں تہران کی طرف دوڑی جا رہی ہیں۔ اور ٹینکوں کی لڑائی کا سب سے بڑا روسی ماہر بگرامیان، تبریز پہنچ گیا ہے۔ اور اب ایران کی خیر نہیں۔ پھر یہ خبر شائع کی گئی کہ سوویٹ فوجیں ایرانی علاقہ سے ہوکر ترکی کی سرحد پر جمع ہو رہی ہیں۔

لیکن دوسرے ہی دن ثابت ہو گیا کہ یہ تمام خبریں جھوٹ ہیں۔ لندن اور

حزب تودہ تھی۔ اعتدال پسند چاہتے تھے کہ آذربائیجان پر حملہ کرنے کے بجائے اس سے گفت و شنید کی جائے۔ ملک کی موجودہ بے چینی کو دور کرنے کے لئے کچھ اصلاحات نافذ کی جائیں اور سوویت یونین کی مخالفت ترک کردی جائے۔

حکیمی اور سید ضیا کے منصوبے پورے نہ ہو سکے۔ اعتدال پسندوں اور حزب تودہ کی مخالفت کی وجہ سے آذربائیجان کے خلاف کوئی فوجی کارروائی نہ کی جا سکی۔ حکیمی کو وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دینا پڑا۔ مگر حکیمی نے چلتے چلتے سوویت یونین کے خلاف انجمن اقوام متحدہ کی مجلس تحفظ میں شکایت پیش کردی۔ سوویت یونین نے حکیمی کے سپاہیوں کو آذربائیجان جاکر جمہوریت پسندوں کو گولیاں مارنے کی اجازت نہیں دی تو یہ حکیمی کے نزدیک ایران کی آزادی میں مداخلت تھی۔ مگر جنوبی ایران میں انگریزوں کی اور اینگلو ایرانی کمپنی کی کھلم کھلا مداخلت اور جنگی تیاریوں کے خلاف حکیمی کی زبان سے ایک لفظ نہ نکلا۔

مجلس تحفظ کے اجلاس میں یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ ایران میں سوویت یونین کی "مداخلت" کے خلاف جو شکایت کی گئی ہے اس کے پیچھے دراصل انگریزوں کا ہاتھ تھا۔ مدراس کے روزنامہ ہندو کے نامہ نگار نے لندن سے لکھا کہ "اس جلسہ میں سبھی لوگ محسوس کرتے ہیں کہ بحث دراصل مسٹر بیون اور مسٹر وشنسکی میں ہو رہی ہے مسٹر بیون اتنے جوش میں تھے کہ وہ بار بار بولنے والوں کو ٹوکتے تھے اور صدر جلسہ کی اجازت کے بغیر ہی بولنے لگتے تھے۔" (۳۰ جنوری ۱۹۴۶ء)

انگریز ایسی پرجوش وکالت صرف انہیں مقدموں کی کرتے ہیں جو ان کے اپنے ہوں۔ ایران میں سوویت کی مداخلت کا یہ مقدمہ بھی انگریزوں ہی کا تھا۔ فرق صرف یہ تھا اسے خود پیش کرنے کے بجائے انہوں نے اپنے ایرانی پٹھوؤں کے ذریعہ پیش کرایا تھا۔ مگر مباحثہ کے بعد سوویت یونین کی بات مان لی گئی۔ مجلس تحفظ نے طے

عوام نے شروع کر رکھی تھی۔ آذربائیجان نے اپنی پرانی روایات قائم رکھیں۔
۱۹۰۸ء میں اسی طرح تہران میں انقلابیوں کی شکست کے بعد بھی، آذربائیجان نے جدوجہد کا جھنڈا بلند کر رکھا تھا۔ مظفر الدین شاہ قاچار کی فوجیں دس مہینے تک تبریز کا محاصرہ کئے پڑی رہی تھیں مگر جمہوریت پسندوں نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ آخر اپریل ۱۹۱۰ء میں زار روس کی فوجوں نے تبریز فتح کر کے مظفر الدین شاہ قاچار کے حوالے کر دیا تھا۔

زار کا وہ سامراجی روس عرصہ ہوا مر چکا۔ آج کے روسی، سامراجیت کے پرستار نہیں، آزادی اور جمہوریت کے علمبردار ہیں۔ یہ وہ لوگ نہیں جو رجعت پرستوں کے لئے تبریز فتح کریں۔ اسی لئے سویت حکومت نے صاف کہہ دیا کہ وہ آذربائیجان کے جمہوریت پسندوں کے خلاف نہ تو خود مداخلت کرے گی اور نہ کوئی مداخلت گوارا کرے گی۔

انگریز اور ان کے گماشتے اس کو بھی ایرانی معاملات میں سویت کی مداخلت کہتے ہیں!!

مجلس اقوام میں ایران کا معاملہ

آذربائیجان میں قومی جمہوری حکومت بن جانے کے بعد تہران کی سیاست کو مطلق قرار نہیں آیا۔ ایک طرف وزیر اعظم حکیمی اور سید ضیا چاہتے تھے کہ آذربائیجان کے خلاف سخت قدم اٹھایا جائے۔ ضرورت پڑے تو سویت یونین سے بھی جنگ کی جائے۔ دوسری طرف قوام السلطنتہ کی اعتدال پسندوں کی جماعت تھی اور

کا مطالبہ نہیں کیا۔

اس کے باوجود ایران کی مرکزی حکومت نے انگریزوں کے اشارے پر آذربائیجان کی جمہوری تحریک کو کچل ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ اور جب وہ مرکزی فوج اور پولس جو پہلے سے آذربائیجان میں موجود تھی یہ نہ کر سکی تو مرکزی حکومت نے مزید کمک روانہ کی۔ سویت حکومت نے جس کی فوجیں اُس وقت آذربائیجان میں مقیم تھیں، مرکزی حکومت کی مزید فوجوں کو آذربائیجان آنے سے روک دیا۔

سویت حکومت نے اس کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایران کے اندرونی معاشی اور سیاسی معاملات میں بالکل مداخلت نہیں کرنا چاہتی اور اسی لئے وہ مرکزی کی مزید فوجوں کو آذربائیجان آنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ آذربائیجان میں مرکزی فوج اور پولس کے جتنے لوگ ہیں وہ اس علاقہ کا نظم و نسق کرنے اور امن و امان قائم رکھنے کے لئے کافی ہیں لیکن اگر وہ اب امن و امان قائم رکھنے میں ناکام ہوں تو اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آذربائیجان کے لوگوں کو مرکزی حکومت کے افسروں پر کوئی بھروسہ نہیں رہا اور وہ ان کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ایسی صورت میں مرکزی حکومت کو کوئی حق نہیں کہ انہیں ان کی مرضی کے خلاف مجبور کرے۔ اس سے آذربائیجان میں امن و امان قائم نہیں ہوگا بلکہ اور خون خرابہ ہوگا، خانہ جنگی ہوگی اور اسے روکنے کے لئے سویت فوجوں کو مداخلت کرنی پڑے گی۔

آذربائیجانیوں کی قومی جمہوری حکومت کا قیام سویت یونین کی مداخلت کا نتیجہ نہیں تھی۔ کیونکہ سویت نے کبھی ایران کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی ہی نہیں ہے یہ اس جدوجہد کی سب سے بڑی کامیابی تھی جو سارے ایران میں انگریزوں کے اشاروں پر ناچنے والے حکمرانوں کے خلاف ایرانی

کے مقابلہ میں زیادہ ترقی یافتہ اور بیدار مغز ہیں۔ انقلاب ایران کے زمانے میں آذربائیجان کی خاک سے بڑے بڑے علما' اہل قلم اور شاعر اُٹھے۔ ان کے کلام نے نہ صرف آذربائیجان میں بلکہ تمام ایران میں لوگوں کے دلوں کو گرمایا اور روح کو تڑپایا۔ سید جمال الدین افغانی کے دوست اور شاگرد مرزا آقا خاں کرمانی نے اپنی مشہور انقلابی نظم 'نامۂ نوستاں' آذربائیجان ہی کی تحریک سے متاثر ہو کر اردبیل کے قید خانہ میں لکھی تھی ......

"یہ ہے آذربائیجان کا سیاسی پس منظر۔ اس پر سطحی نظر ڈالنے سے بھی اس سوال کا جواب مل جاتا ہے کہ آذربائیجان کے لوگ ان دنوں ایران کی جمہوری تحریک میں کیوں پیش پیش ہیں" (دنیا زمانہ۔ مورخہ ۲۔ دسمبر ۱۹۴۵ء)

آذربائیجان کے لوگ اور ان کی جمہوری پارٹی صوبائی خود مختاری کا مطالبہ کر رہی ہے اس لئے کہ آذربائیجان کے لوگ ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور آج سے نہیں آٹھ سو سال سے۔ آذربائیجان کے لوگ ترک ہیں۔ ان کی زبان ترکی ہے۔ وہ ایک مخصوص علاقے میں رہتے ہیں اور اپنی ایک جداگانہ تاریخ تہذیب اور روایت رکھتے ہیں۔

آذربائیجانیوں میں خود مختاری اور جمہوریت کا احساس ایک اور وجہ سے بھی بڑھا ہے اور وہ ہے ان کے پڑوسی سویت آذربائیجان کی حیرت انگیز ترقی ایرانی سرحد کے اُس پار کسانوں کے لہلہاتے ہوئے کھیت ہیں' اونچے اونچے کارخانے ہیں' اچھے اچھے مکانات ہیں' مدرسے ہیں' کالج ہیں' شفاخانے ہیں' اپنی پارلیمنٹ ہے اور اپنی آزاد اور جمہوری حکومت ہے۔ ۱۹۱۷ء کے انقلاب سے پہلے روسی آذربائیجان کی حالت ایرانی آذربائیجان سے بہتر نہ تھی۔ لیکن اب وہاں کی دنیا ہی بدل گئی ہے۔ انقلاب سے پہلے ۳۳ ہزار

" آذربائیجان کے لوگ ایران کی جمہوری تحریک کی قیادت آج پہلی بار نہیں کر رہے ہیں۔ پچھلے پچاس سال سے آذربائیجان ہی مشروطیت کا مرکز رہا ہے۔ آذربائیجان ایران کا بنگال ہے جس طرح ہندستان کی سیاسی اور تہذیبی نشاۃ ثانیہ بنگال میں انیسویں صدی میں شروع ہوئی اسی طرح ایران کی سیاسی اور تہذیبی بیداری کا آغاز آذربائیجان کے مردم خیز خطہ سے انیسویں صدی کے آخر میں ہوا۔ تبریز اور رشت اور اردبیل وہ مقام ہیں جن کا ذرہ ذرہ شہیدوں کے خون سے رنگین ہے۔ وہ تبریز کا ہی قیدخانہ تھا۔ جہاں ۱۷ر جولائی ۱۸۹۶ء کو حاجی شیخ احمد کرمانی اور مرزا آقا خاں کرمانی جیسے اہل قلم عالموں کو سخت بے دردی سے قتل کیا گیا اور ان کی کھال میں بھُس بھر اگیا۔ اور حاجی زین العابدین مراغی بھی آذربائیجانی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی کتاب" سیاحت نامہ ابراہیم بیگ" جس میں ایران کے طریق حکومت اور معاشی حالات پر چوٹیں کی گئی تھیں، ایران کے سنہ ۱۹۰۶ء انقلاب کی محرک ہوئی تھی۔ اور عباس آقا بھی تبریزی تھا جس نے ۳۱ر اگست سنہ ۱۹۰۷ء کو امین السلطنتہ کو ٹھیک اسی وقت گولی مار کر ہلاک کیا۔ جب زار روس اور برطانیہ ایران کے حصے بخرے کرنے کے خفیہ معاہدے کر رہے تھے۔ عباس آقا فدائی تھا حکومت نے اسے پھانسی دی تو اس کے جنازے میں ایک لاکھ ایرانی شریک ہوئے۔ اور وہ تبریز ہی تھا جس نے جون سنہ ۱۹۰۸ء میں شاہ کی فوجوں سے ٹکرلی اور بمباری کے مصائب برداشت کئے۔ ان ہنگاموں میں رشت، اردبیل کے لوگ بھی ان کے شریک رہے ....

" تہذیبی بیداری کا آغاز بھی آذربائیجان ہی سے ہوا۔ پہلا ایرانی چھاپہ خانہ سنہ ۱۸۱۲ء میں تبریز ہی میں قائم ہوا اور پہلی جدید تعلیم گاہ بھی سنہ ۱۸۴۲ء میں تبریز میں کھولی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آذربائیجان کے لوگ ایران کے دوسرے علاقوں

کمزور کرنا چاہتا ہے تاکہ پورے ایران پر قبضہ کر سکے کسی نے کہا وہ ایرانی آذربائیجان کو سویت آذربائیجان سے ملانا چاہتا ہے۔ انگریز سویت یونین کی اس حرکت سے بہت پریشان ہیں۔ وہ کمزور اور بے بس ایران کی آزادی کو یوں مٹتے نہیں دیکھ سکتے۔ بے چارے انگریز! ان کے دل میں غریبوں اور کمزوروں کا کتنا درد ہے!

کئی دنوں تک یہی خبر نئے نئے ڈھنگ سے نئے نئے روپ میں اخباروں میں شائع ہوتی رہی۔ مگر ایک ہی لقمہ کئی دن چبایا جاتا! خبریں آنا بند ہو گئیں اور آج اس واقعہ کو چھ مہینے ہونے کو آئے مگر "باغیوں کے مسلح دستے" ابھی تک تہران نہیں پہنچے۔ اور نہ سویت حکومت نے ایرانی آذربائیجان کو سویٹ آذربائیجان میں شامل کیا۔ اور نہ آذربائیجان نے ایران سے اپنی علیحدگی کا اعلان کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ خبر سر سے پیر تک من گھڑت تھی۔ آذربائیجان سے باغیوں کے کسی مسلح دستے نے کبھی تہران پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔

پھر آذربائیجان میں ہوا کیا تھا؟

آذربائیجان میں بھی وہی ہوا اور ہو رہا تھا جو سارے ایران میں ہوا جمہوری عوام کی اور رجعت پرست حکمرانوں کی وہی ٹکر جس کا نظارہ ہم نے جنوبی ایران میں دیکھا شمال میں آذربائیجان کے علاقے میں بھی جاری تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ جنوب میں انگریز تھے اس لئے ان کی مدد سے مرکزی حکومت عوام کی طاقت ور آواز کو دبا دیتی تھی آذربائیجان میں انگریز نہ تھے اس لئے مرکزی حکومت کی مدد کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اور یہاں عوام کی تحریک جنوب سے کہیں زیادہ مضبوط تھی۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ آذربائیجان کی جمہوری روایات کا تذکرہ کرتے ہوئے سید سبط حسن صاحب نے 'نیا زمانہ' میں لکھا ہے کہ

آذر بائیجان

بگذر از خطہ تبریز و مقام شہدایش
بشنو آں قصہ جانسوز و دل از غم بخراش
اندر آں خطہ پس از آں کُشش و آں پرخاش
خاک راہی کہ براں میگذری ساکن باش
کہ عیون است و جفون است و خدود است و قدود

ملک الشعرا بہار ۱۹۰۸ء

(تبریز کے خطہ کی اور اس کے شہیدوں کے مقام کی زیارت کر۔ یہ قصہ جانسوز سُن اور اپنے دل کو غم سے بھر لے۔ اس قتل عام اور لڑائی کے بعد اس خطہ میں نیرا گذر ہو تو اس کی خاک پر نرمی سے قدم رکھ۔ کیونکہ اس خاک میں انسانوں کی آنکھ اور ان کی بھویں اور گال اور جسم تڑپ رہے ہیں۔)

۱۹ر نومبر ۱۹۴۵ء کو انگریزوں کی خبر رساں ایجنسی رائٹر نے اعلان کیا کہ شمالی ایران کے صوبہ آذر بائیجان میں لوگوں نے بغاوت کر دی ہے۔ اور باغیوں کا مسلح دستہ پایہ تخت تہران پر حملہ کرنے کے لئے تیزی سے بڑھا جا رہا ہے ایران کے کسی "اعلیٰ فوجی افسر" نے رائٹر کو بتایا کہ "باغی آذر بائیجان کو ایران سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔" اور ان کو روسی مشین گنیں اور دوسرا سامان جنگ مہیا کیا گیا ہے۔ اس خبر سے ساری دنیا میں تہلکہ مچ گیا۔ اخباروں نے جلی حرفوں میں اسے شائع کیا اور انگریزوں کے گماشتے چیخ اٹھے کہ اس بغاوت کی تہہ میں سویٹ یونین کا ہاتھ ہے۔ وہ بغاوتیں کرا کے مرکزی حکومت کو

یہی وجہ تھی کہ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۴ء کو جب سویت یونین کے نائب وزیر خارجہ کفت تارزے نے ایرانی وزیر اعظم سعید سے ملاقات کی تو انہوں نے اس تجویز کو بے حد پسند کیا اور وعدہ کیا کہ وہ اس کو منظور کرانے کی پوری کوشش کریں گے۔ لیکن چند دنوں کے بعد انہیں اپنا وعدہ بھی یاد نہ رہا اور انہوں نے اعلان کیا کہ حکومت ایران جنگ ختم ہونے تک کسی کو تیل نکالنے کا اجارہ نہیں دے گی۔

طہران کے اخبار "ایرانِ قانونی" نے لکھا کہ "حکومت امریکی کمپنیوں کو تیل کا ٹھیکہ دینے کے لئے تیار تھی۔ لیکن جب سویت یونین نے اپنی تجویز پیش کی تو حکومت نے رائے بدل دی"۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت ایران کے اس فیصلہ کے پیچھے انگریز اور امریکی سرمایہ داروں کا ہاتھ تھا۔ ایام جنگ کا عذر محض ایک حیلہ تھا۔ ایرانی حکومت اسی جنگ کے دنوں میں برطانوی امریکی اور ڈچ کمپنیوں کو تیل نکالنے کی مراعات دینے کے لئے تیار تھی۔ ایام جنگ میں پٹوں کی میعاد بڑھانے میں اس نے کوئی عذر نہیں کیا اور اس کے بادشاہ نے نیویارک ٹائمز سے یہ کہنے میں کوئی شرم نہیں محسوس کی کہ

"امریکی کمپنیاں تیل نکالنے کی ان مراعات سے جو انہیں ایران میں حاصل ہیں فائدہ کیوں نہیں اٹھاتیں؟ ایرانیوں کے پاس اس کام کے لئے سرمایہ نہیں ہے۔ ورنہ ایرانی ذخیروں کو ترقی دینے کے بڑے امکانات پائے جاتے ہیں"۔

یہ نہیں کہ اینگلو ایرانی کمپنی کی طرح لاکھوں مربع میل کا علاقہ کمپنی کے حوالے کر دیا جائے۔

۵- کمپنی کے دو تہائی عہدوں پر جن میں اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے بھی شامل ہیں ایرانی مقرر کئے جائیں گے۔

۶- ایرانیوں کو ٹکنیکل تعلیم دینے کے لئے اسکول کھولے جائیں گے۔

۷- مزدوروں کے آرام و آسائش کا پورا خیال رکھا جائے گا۔

۸- پٹہ کی میعاد ختم ہونے پر تمام اسکول، پیداوار کے ساز و سامان، تمام مشینیں اور عمارتیں وغیرہ بلا معاوضہ ایرانی حکومت کو مل جائیں گی۔

یہ شرطیں برطانوی اور امریکی کمپنیوں کی شرطوں سے بدرجہا بہتر تھیں ان کا مقصد ایران کو لوٹنا نہیں بلکہ ایران اور سوویت یونین دونوں کو فائدہ پہنچانا اور دونوں کے دوستانہ تعلقات کو استوار کرنا تھا۔ ایران میں خود یہ صلاحیت نہیں تھی کہ اپنے ذخیروں سے تیل نکال سکے۔ اس کے پاس اتنا سرمایہ اور ساز و سامان اور مشینیں نہیں تھیں۔ لامحالہ اسے مراعات دوسروں ہی کو دینے پڑتے۔ سوویت یونین نے تمام دوسری کمپنیوں سے بہتر شرطیں پیش کیں جن کا مقصد انگریز اور امریکی سرمایہ داروں کی طرح نفع کمانا نہیں تھا۔ سوویت یونین کی تجویز قبول کرنے سے اگر سوویت یونین کی تیل کی ضرورت پوری ہو جاتی تو ایران کو اس میں بھی زیادہ فائدہ ہوتا۔ ایران کو سوویت کے سرمائے سے صنعتی نشو و نما کا موقع ملتا، اس کے ہزاروں مزدوروں کو ٹکنیکل تعلیم ملتی اور مہارت حاصل ہوتی اور پورے ایران کی معاشی حالت سدھر جاتی۔ ایران جیسے کمزور اور افلاس زدہ ملک کی مدد کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں تھا۔

نے شمالی ایران میں حاصل کئے تھے۔ اس عہد نامے میں ایرانی حکومت نے وعدہ کیا تھا کہ جو علاقہ اسے واپس کیا گیا ہے اس کا پٹہ وہ کسی دوسری حکومت یا کسی غیر ایرانی کمپنی کو نہیں دے گی۔ لیکن حکومت ایران نے ایک بار نہیں تین تین بار اس معاہدے کو یہ جانتے ہوئے توڑا کہ شمالی ایران میں کسی غیر ایرانی کمپنی کو اجارہ دینے سے سوویت یونین کی جنوبی سرحد خطرے میں پڑتی ہے۔

۱۹۴۳ء کے آخر میں رائل ڈچ کمپنی نے جس کا صدر دفتر لندن میں ہے اپنے نمائندے طہران بھیجے اور ان کو ایرانی بلوچستان میں تیل نکالنے کی اجازت مل گئی۔ ۱۹۴۴ء کے آغاز میں اسٹنڈرڈ آئل اور سنکلئر کمپنی امریکہ کے نمائندوں نے اسی قسم کی رعایت مانگی۔ ایرانی حکومت نے اپنے مشیر مالیات مسٹر ڈیونین امریکی اور تیل کے دو امریکی ماہروں مسٹر ہوور اور کرٹس کی ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی۔ وزیر اعظم ان امریکی کمپنیوں کو اجارہ دینے پر تیار تھے لیکن ادھر یہ سلسلہ جنبانیاں ہو رہی تھیں، ادھر ۱۰ ستمبر ۱۹۴۴ء کو سوویت یونین نے اپنی تجویز پیش کی اور شمالی ایران میں تیل نکالنے کی اجازت مانگی۔

سوویت یونین نے جو شرائط پیش کیں ان کے مطابق

۱۔ کمپنی کی تجارتی اور ٹکنکل کارروائیوں پر نگرانی کرنے کا پورا اختیار ایرانی حکومت کو ہوگا۔

۲۔ جتنا تیل نکالا جائے گا اس کا صرف آدھا حصہ سوویت یونین لے گا باقی آدھا ایران کو ملے گا۔

۳۔ تیل کی پیداوار سے جو صنعتیں قائم کی جا سکتی ہیں وہ سب ایران ہی میں قائم کی جائیں گی۔

۴۔ تیل نکالنے کے لئے کوئی ایک علاقہ پوری چھان بین کے بعد مقرر کر دیا جائے گا

کی مقدار میں چشموں سے نکلتی ہے مفت میں ضائع ہو جاتی ہے۔

رضا شاہ اینگلو ایرانی کمپنی کے مقابلے میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس قومی مطالبے کو تقویت پہنچانے کے لئے ایرانی عوام کی کوئی جمہوری تحریک نہیں چلانا چاہتے تھے اور نہ سوویت یونین سے مل کر اپنی بین الاقوامی قوت بڑھانے کے خواہشمند تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برطانوی حکومت نے ان کے مطالبات کو آئیں بائیں شائیں کر کے ٹال دیا۔

۲۹۔ اپریل ۱۹۴۴ء کو برطانوی اور ایرانی حکومتوں کے درمیان ایک نیا معاہدہ ہوا جس کی رو سے برطانوی مراعات کی مدت ۱۹۹۳ء تک یعنی مزید پچاس سال کے لئے بڑھا دی گئی اور کرمان شاہ سے بلوچستان کی سرحد تک کا پورا علاقہ برطانوی کمپنی کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔

امریکہ کے سرمایہ دار اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے سے کیوں باز آتے؟ چنانچہ ۲۳ رنومبر ۱۹۲۱ء کو امریکن اسٹنڈرڈ آئل کمپنی نے ایرانی حکومت سے پانچوں شمالی صوبوں آذر بائیجان، گیلان، مزندران وغیرہ میں تیل کا اجارہ حاصل کر لیا۔ ۱۶ رجنوری ۱۹۳۷ء کو ایک دوسری امریکی کمپنی ڈیلاویر کو شمالی مشرقی ایران میں تیل کے ذخیروں کی اجارہ داری مل گئی اور ۱۹ رمارچ ۱۹۳۹ء کو ایک ڈچ کمپنی کو جس میں بڑا حصہ انگریزوں کا ہے۔ شمالی ایران کے علاقوں کا اجارہ دے دیا گیا۔ لیکن ۱۹۴۴ء میں یہ اجارہ منسوخ کر دیا گیا۔

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ تینوں پٹے جو امریکی اور ڈچ کمپنیوں کے ساتھ کئے گئے تھے۔ سوویت یونین اور ایران کے باہمی معاہدے کے خلاف تھے جو ۲۶ فروری ۱۹۲۱ء کو کئے گئے تھے۔ اس معاہدے کی رو سے سوویت یونین اپنی مرضی سے ان مراعات اور حقوق سے دست بردار ہوا تھا جو زار روس

ڈیڑھ ارب روپیہ سے زیادہ ہوتی تھی برطانیہ کو جاتا تھا۔ معاہدے کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ کمپنی جتنا ضروری سامان برطانیہ سے منگائے اس پر ایرانی سرکار کوئی محصول نہ لے گی۔ مثلاً ۱۹۲۸ء میں برطانیہ سے جو مال ایران آیا اس کی کل مالیت ۴۵ لاکھ پونڈ تھی۔ اس میں ۴۲ لاکھ پونڈ کا کمپنی کا مال تھا جو بلا محصول آیا۔

کمپنی نے ایرانیوں کو فنی تعلیم اور تجربے سے بھی محروم رکھا۔ اور اس کی پوری کوشش کی کہ کوئی ایرانی تیل کی مشینوں سے اور ان کے کل پرزوں کے راز سے واقف نہ ہونے پائے۔ چنانچہ انہوں نے کمپنی کے ذمہ دار عہدوں پر شامیوں، یہودیوں، عربوں، مدراسیوں اور دوسرے غیر ملکیوں کو مقرر کیا۔

رضا شاہ ان شرائط سے خوش نہ تھے۔ چنانچہ ۱۹۳۲ء میں انہوں نے اس معاہدے کو منسوخ کر دیا۔ سارے ایران میں لوگوں نے دو دنوں تک خوشی منائی لیکن انگریزوں نے خلیج فارس میں اپنے جنگی جہاز جمع کر لئے اور اس طرح رضا خاں کو دھمکانے میں کامیاب ہو گئے۔ نیا معاہدہ ہوا۔ شرائط بظاہر پہلے سے بہتر تھیں۔ کمپنی نے ایرانی حکومت کو سولہ فی صدی کے بجائے بیس فیصدی رائلٹی دینے کا وعدہ کیا۔ کمپنی کو پانچ لاکھ کے بجائے ڈھائی لاکھ مربع میل کے علاقے میں تیل نکالنے کی اجازت دی گئی اور یہ طے ہوا کہ ۱۹۳۶ء تک کمپنی کے تمام اختیارات صرف ایک لاکھ مربع میل کے علاقے میں محدود ہو جائیں گے۔ لیکن اس کی کبھی نوبت نہیں آنے پائی۔ کمپنی نے دس ہزار پونڈ کی رقم ایرانی ملازموں کی فنی تعلیم کے لئے مقرر کی لیکن عملاً کوئی فرق نہیں ہوا۔ فنی تعلیم کا بس نام ہی نام تھا۔ کبھی کوئی ایرانی کمپنی کے کسی اعلیٰ عہدے پر نہ پہنچ سکا۔ سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ تیل کے سوا اور کوئی صنعت قائم نہیں کی گئی۔ برطانوی کمپنی نے ایسی مشینیں نہیں لگائیں جن کی مدد سے گیس یا دوسری چیزیں بنائی جا سکتیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گیس جو کروڑوں ٹن

تیل کے جھگڑے

ایرانی تیل کے ذخیروں کی اجارہ داری پہلے پہل ۱۹۰۱ء میں ایک آسٹریلوی سیاح ولیم ناکس ڈی آرسی کو ملی۔ مظفر الدین شاہ قاچار کو یورپ کی سیاحت اور عیاشیوں کے لئے روپے کی سخت ضرورت تھی اس لئے انہوں نے اونے پونے معاملہ کرلیا۔ پانچ لاکھ روپیوں کے عوض ولیم ڈی۔ آرسی کو ایران کے پانچ لاکھ مربع میل کے علاقہ میں تیل نکالنے کا اجارہ مل گیا۔

۱۹۰۹ء میں ولیم ڈی آرسی نے اپنا اجارہ اینگلو ایرانی آئل کمپنی کے ہاتھ فروخت کردیا جو اسی سال قائم ہوئی تھی۔ اگست ۱۹۱۲ء تک کمپنی نے چشمے سے تیل لیجانے کے لئے ۱۴۵ میل لمبی پائپ لائن مکمل کرلی اور ایران میں تیل کا بہت بڑا کارخانہ قائم کرلیا۔ اس علاقے میں کمپنی کو پورے اختیارات حاصل تھے۔ اس کی اپنی ریل تھی۔ گویا ایرانی ریاست کے اندر ایک اور ریاست قائم ہوگئی۔ تیل کی اہمیت کا اندازہ کرکے ۱۹۱۴ء میں برطانوی حکومت نے اس کمپنی کے زیادہ تر یعنی ۵۲،۵۵ فی صدی حصے خرید لئے اور اس طرح چند لاکھ روپیوں کے عوض وہ شمالی ایران کے پانچ صوبو کو چھوڑ کر پورے ایران کے تیل کے ذخیروں کی مالک بن بیٹھی۔ برطانوی حکومت نے اس خود مختاری سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس وقت تیل صاف کرنے کے کارخانے ایران کے علاوہ بندر شاہ پور اور کرمان شاہ میں بھی قائم ہوچکے ہیں۔

اس کمپنی میں جنگ سے پہلے ۶۵ ہزار مزدور کام کرتے تھے اور سالانہ ایک کروڑ پانچ لاکھ ٹن تیل نکلتا تھا۔ یہ سارے کا سارا تیل جس کی قیمت دس کروڑ پونڈ یعنی

ایران کے جمہور کی نمائندہ حزب تودہ اپنے وطن کو انگریزوں کے قدم سے پاک کرنا اور ان کی اینگلو ایرانی آئیل کمپنی کی اجارہ داری کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ اس کے بغیر نہ تو ایران آزاد ہو سکتا ہے اور نہ مشرق وسطیٰ کا کوئی اور ملک۔ اس کے بغیر ایشیا کے ملکوں میں خوشحالی اور مرفع الحالی نہیں آسکتی۔

انگریز حزب تودہ کو کچلنا چاہتے ہیں۔ ایران کی جمہوریت، ہندستان کی جمہوریت، مصر کی جمہوریت، یونان اور انڈونیشیا کی جمہوریت انگریزی سامراج کے حق میں سب زہر ہیں۔ انگریز سب کو خاک وخون میں تڑپا رہے ہیں۔ ایرانی جمہوریت کو کچلنے کے لئے انگریزوں نے کچھ ہتھیار گھڑے۔ سید ضیاء کی مجلس ایرادِ ملی اور جنوب کی قبائلی فوج۔

ایران میں ہر جگہ یہ ہتھیار ایران کے جمہور پر اٹھائے جا رہے ہیں۔ پہلا بڑا معرکہ شمال میں آذربائیجان کے صوبے میں پیش آیا۔ ایران کے جمہور نے اپنی تحریک آزادی کی لاج رکھ لی۔ انگریزوں کے گماشتوں کو اس معرکے میں کمل شکست اٹھانی پڑی۔ مگر اس شکست پر پردہ ڈالنے آئندہ اس قسم کی شکستوں کا تدارک کرنے اور عوام کو گمراہ کرنے کے لئے دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک انگریزوں کے گماشتے چیخ اٹھے کہ سویت یونین ایران کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے۔ وہ ایران کو غلام بنا کر ایران کے تیل پر قبضہ کرنا چاہتا ہے ؛

دنوں سے جاری ہے۔ لیکن اس کی سب سے بھیانک مثال اصفہان کے قریب سمیرام میں دیکھنے میں آئی جہاں قبیلہ والوں نے ایران کی سرکاری فوج کے بارہ سو آدمیوں کو گھیر لیا۔ سرکاری فوج نے اصفہان سے کمک منگوائی مگر انگریزوں نے مداخلت کی اور کمک نہیں آنے دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرکاری دستے کے یہ بارہ سو سپاہی ایک ایک کر کے ہلاک کر دیئے گئے۔

ایرانی کردستان میں بھی جمہوری تحریک کو دبانے کے لئے انگریز اسی طرح مداخلت کرتے اور اپنے گماشتوں کے ذریعہ مسلح حملے کرتے رہتے ہیں۔ عراق سے قزاقوں کے مسلح دستے سرحد پار کر کے ایرانی کردستان میں داخل ہوتے ہیں۔ کردوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بناتے ہیں ان کے گھروں کو آگ لگاتے ہیں اور ان کی عورتوں پر مظالم ڈھاتے ہیں اور اس کے بعد بھاگ کر فوراً عراق کی سرحد میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ایران کی آزادی اور جمہوریت کے لئے جنوب کے قبیلے سب سے بڑا خطرہ ہیں انگریزوں کا منصوبہ یہ تھا کہ اگر سید ضیاء الدین دستوری طریقے سے حکومت پر قبضہ کر کے حزب تودہ کو نہ کچل سکے تو پھر ان قبیلوں کی پچاس ہزار مسلح فوج سے یہ کام لیا جائے۔ اسی مسلح فوج سے انگریز جنوبی ایران میں جمہوریت کی لہروں کو روکنا چاہتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ ان قبیلوں کی مدد سے وہ کم از کم جنوبی ایران کو جہاں ان کے تیل کے چشمے ہیں ضرور اپنے زیر اقتدار رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

یہ ہے ایران میں بیرونی مداخلت کی اصل حقیقت!

انگریزوں کی خبر رساں ایجنسیوں نے ایران پر جھوٹ کے پردے ڈال رکھے ہیں لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی یہ پردے سامنے سے ہٹا دیئے جائیں تو ایران میں آج جو کچھ ہو رہا ہے اسے سمجھنے میں دشواری نہ ہوگی۔

ہوئی جس میں ان لوگوں کے علاوہ مجلس ملی کے کئی ممبر اور اصفہان کے ایک مشہور زمیندار حرام الدولہ اور ایک مشہور سوداگر اور کارخانہ دار فازیرونی نے بھی شرکت کی۔

ایرانی فوج کے سابق افسر اعلیٰ جنرل عرفہ نے اپریل ۱۹۴۵ء میں تہران کے فوجی افسروں کے ایک جلسہ میں بتایا کہ "اتحادِ قبائل جنوبی" نے پچاس ہزار آدمیوں کی ایک زبردست مسلح فوج تیار کر لی ہے۔ ایران کی سیاسی زندگی میں اس قبائلی فوج کی اہمیت یا اس کے خطرے کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ایران کی پوری سرکاری فوج میں نوے ہزار آدمی ہیں جن میں سپاہیوں کے علاوہ فوجی عملہ کے دوسرے آدمی اور نئے رنگروٹ بھی شامل ہیں۔

"اتحاد قبائل" کے ان سپاہیوں کو انگریزوں نے جدید ترین سامان جنگ سے لیس کر رکھا ہے اور قشقئی علاقہ میں ان کی فوجی تربیت کے لئے ایک انگریز افسر بھی مقرر کر دیا گیا ہے۔ گذشتہ سال ایران کی مرکزی حکومت نے ان قبیلوں کی فوجی طاقت ختم کرنے کے لئے کچھ فوجیں بھیجی تھیں مگر انگریزوں کی مداخلت پر مرکزی حکومت کو اپنی کوشش سے باز آجانا پڑا۔

تہران کے ایک جمہوری اخبار مردم نے ۱۵ر جنوری ۱۹۴۶ء کو ایک خبر شائع کی کہ خلیج فارس کی بندرگاہوں دیلم وغیرہ کے ذریعہ برابر سامان جنگ جنوبی ایران لایا جارہا تھا اور مرکزی حکومت نے آج تک سامان جنگ کی اس خفیہ درآمد کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ مردم نے اس سلسلہ میں یہ بھی لکھا کہ قوام شیرازی نے ان ہتھیاروں کی تقسیم کے لئے جنوبی قبیلوں کے سرداروں کی ایک کانفرنس طلب کی ہے۔

ایران کے اندرونی معاملات میں انگریزوں کی مداخلت کا یہ سلسلہ بہت

کرکے انگریزوں سے براہ راست ساز باز شروع کی۔

جنوری ۱۹۴۵ء میں تہران کے اخبار کیہان نے چند قبائلی سردارو
کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

"فارس کے خان دراصل چھوٹے چھوٹے آزاد سردار ہیں جن کے اپ
فوجی دستے ہیں۔ وہ خود اپنی فوج سے اپنے علاقوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان
آپس میں باقاعدہ جنگیں بھی ہوتی ہیں اور عہد نامے بھی مرتب ہوتے ہیں۔ مرکز
حکومت کو وہ کبھی خاطر میں نہیں لاتے ...... فارس میں کوئی شخص تہران
حکم نہیں مانتا۔"

فارس میں قشقئی قبیلے طاقت اور اثر میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں ا
ان کے سب سے بااثر سردار ناصر خاں اور خسرو خاں ہیں۔ یہ قبیلے بہت دنوں
تک نازی جرمنوں کے زیر اثر تھے۔ ایران میں اتحادی فوجوں کے داخلہ کے بع
بھی ایک عرصہ تک نازی ایجنٹ ان قبیلوں میں چھپ چھپ کر کام کرتے تھے
لیکن ۱۹۴۳ء کے آخر میں جب ہٹلر کی کامیابی کی قطعی کوئی امید نہیں رہی
ان سرداروں نے پھر اپنے پرانے سرپرست انگریزوں سے ناتہ جوڑ لیا اور اپنے
جرمن مہمانوں اور ان کے ساتھ بعض ایرانی فاشسٹوں کو بھی انگریزوں کے
حوالے کر دیا۔ ان میں جرمن میجر جولیس شُلز اور مجلس ملی کا فاشسٹ نواز
ممبر نوبخت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اگست ۱۹۴۴ء میں قشقئی قبائل کے سرداروں نے ایک کانفرنس منعق
کی جس میں بختیاری سردار مرتضیٰ علی خان اور انگریزوں کا ایک مشہور ایجنٹ اور
سید ضیاء الدین کا دوست قوام شیرازی بھی شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں
جنوبی قبیلوں کا ایک متحدہ محاذ قائم کیا گیا۔ جنوری ۱۹۴۵ء میں ایک اور کانفر

یہ غنڈہ پن ہو رہا تھا دوسری طرف سید ضیا نے اسی موقع پر مجلس ملی کے دو رجعت پرست ممبروں سیف پور فاطمی اور دولت آبادی کو اصفہان بھیجا اور ان لوگوں نے اتحادیہ کارگران کے مقابلہ میں "سرمایہ داروں اور مزدوروں کی متحدہ جماعت" قائم کی اور مزدوروں کو یہ لالچ دی کہ جو مزدور اس جماعت میں شامل ہوگا اس کی مزدوری بڑھا دی جائے گی۔

مجلس ایراد ملی کے کارکنوں کا یہ غنڈہ پن صرف اصفہان تک محدود نہیں رہا تہران میں انہوں نے مجلس ملی کے تودہ پارٹی کے رکن ڈاکٹر کشاورز پر دن دہاڑے حملہ کیا۔ یزد اور دوسرے شہروں میں بھی اسی قسم کے واقعات پیش آئے۔

لیکن ایران کی جمہوری تحریک کو کچلنے اور اینگلو ایرانی آئل کمپنی کے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے انگریزوں اور ان کے گماشتوں کی سازشیں یہیں تک محدود نہیں رہیں۔ انگریزوں نے جنوبی ایران کے قبائلی سرداروں اور شیوخ کو رشوتیں دے کر جمہوریت پسندوں کے خلاف ان کی حمایت حاصل کی۔

جنوبی قبائل

جنوبی ایران کے قبائل کا مسئلہ کوئی آج کا نیا مسئلہ نہیں۔ ہر زمانے میں ایران کی مرکزی حکومت کو ان قبائل کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ان لوگوں میں ابھی تک قومیت کا کوئی احساس نہیں۔ ان کی ساری عقیدت اور وابستگی اپنے اپنے قبیلے سے ہے اور اس لئے مرکزی حکومت کے اقتدار کو انہوں نے کبھی آسانی سے تسلیم نہیں کیا۔ رضا خاں نے اپنی فوجی طاقت سے ان قبیلوں کو اطاعت کرنے پر ضرور مجبور کیا مگر وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کرسکے۔ چنانچہ رضا خاں کی معزولی اور انگریزی فوج کی آمد کے بعد ان قبیلوں نے مرکزی حکومت کو نظرانداز

حزب تودہ کے خلاف ان لوگوں نے جیسے جیسے ہتھکنڈے استعمال کئے اس کی بدترین مثال اصفہان میں دیکھنے میں آئی۔ اصفہان میں حزب تودہ کے امیدوار کی کامیابی اور مقبولیت کا حال ہم بیان کر چکے ہیں۔ سید ضیا رکی جماعت نے حزب تودہ کے خلاف اصفہان کے گورنر بجردی کی مدد چاہی، لیکن بجردی نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کیا تو دوسرے ہی دن حکومت نے بجردی کی معزولی کا فرمان صادر کر دیا۔ اس کی جگہ درسطہ کو ... مقرر کیا گیا اور اس کے بعد حزب تودہ کے لیڈروں اور اتحادیہ کارگراں کے دفتروں پر دن دہاڑے حملے ہونے لگے۔

مزدوروں نے جب پولس کو ان حملوں کی اطلاع کی تو ناظم پولس مختاری نے حملہ کرنے والوں کی بجائے اتحادیہ کارگران کے کارکنوں کو گرفتار کر لیا۔ ۲۷، مارچ کو حزب تودہ کی اصفہان کمیٹی اور اتحادیہ کارگران اور ایک جمہوریت پسند اخبار دنیائے امروز کے دفتروں پر منظم طریقے پر حملہ کیا گیا۔ حملہ آوروں نے تمام دفتروں میں آگ لگا دی اور جو کچھ لوٹ سکے لے گئے۔ تودہ پارٹی کے بیس کارکن اور لیڈر گھائل ہوئے جس میں تودہ مرکزی کمیٹی کے ممبر لنکرانی اور تہران کے اخبار ظفر کے اڈیٹر شاہندہ بھی شامل تھے۔ اسی کے ساتھ حزب تودہ کے ممتاز لیڈروں کے گھروں پر بھی حملے کئے گئے۔ پولس نے ان تمام واقعات سے چشم پوشی برتی اور حملہ کرنے والے غنڈے بے داغ بچ گئے۔ مزدوروں نے جب منظم ہو کر اس غنڈہ پن کا مقابلہ کیا تو جون ۱۹۴۵ء میں اصفہان میں فوجی قانون نافذ کر دیا گیا۔ حزب تودہ کے دو سو ممبر گرفتار کر لئے گئے اور اس کے دفتروں پر پولس نے قبضہ کر لیا۔

ایک طرف مزدوروں کی منظم تحریک کو توڑنے کے لئے پولس کی مدد سے

اور پھر حکیمی کی وزارتیں بنیں اور یہ لوگ ضیا کے احکام پر پوری طرح عمل کرتے رہے
۱۹۴۵ء کے آخر میں نئے انتخابات ہونے والے تھے نگران لوگوں نے مجلس ملی سے یہ فیصلہ کرالیا کہ جب تک غیر ملکی فوجیں ایران سے چلی نہ جائیں اس وقت تک نئے الکشن نہ کئے جائیں۔ بظاہر یہ معقول تجویز تھی۔ مگراس کی تہہ میں کچھ اور اسباب کام کر رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر انتخاب ہوا تو حزب تودہ کی کامیابی یقینی ہے۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ سویت فوجیں ایران سے چلی جائیں تو انگریزوں اور اینگلو آئل کمپنی کی مدد سے ایران کی جمہوری تحریک کو اور حزب تودہ کو کچل دیا جائے۔

چنانچہ ۱۹۴۴ء کے آخر سے ہی انہوں نے اس کی عملی تیاریاں بھی شروع کر دیں۔ حزب تودہ کے رہنماؤں اور کارکنوں پر جابجا قاتلانہ حملے ہونے لگے۔ نومبر ۱۹۴۴ء میں حزب تودہ کا اخبار رہبر بند کر دیا گیا۔ ۷ نومبر کو جب تہران کی اتحادیہ کارگراں اور دوسری جماعتوں کی طرف سے یوم انقلاب منایا گیا تو ایرانی حکومت نے فوج اور پولس کی مدد سے بیس ہزار آدمیوں کے جلوس کو منتشر کر دیا اور ان کے لیڈروں کو گرفتار کر کے سیاسی پارٹیوں اور اتحادیہ کارگراں کے دفتروں پر قبضہ کر لیا۔

اسی کے ساتھ ساتھ سید ضیا نے مزدوروں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے اتحادیہ کارگراں کے خلاف ہر جگہ مل مالکوں اور آئل کمپنی کی سرپرستی میں نئی یونینیں بنائیں اور جہاں کہیں موقعہ ملا اتحادیہ کارگراں کے دفتروں پر دھاوا کیا اور ان کے کاغذات اور ساز و سامان جلا ڈالے۔ سید ضیاء الدین نے فاشستوں کے نمونے پر مسلح غنڈوں کی جماعتیں بنائیں جن کا کام ہی یہ تھا کہ حزب تودہ اور اتحادیہ کارگراں کے رہنماؤں اور ان کے دفتروں پر حملے کیا کریں۔

کے برعکس جو لوگ ضیا کے مخالف تھے اور الکشن میں اس کا مقابلہ کر رہے تھے ان کے خلاف طرح طرح کی دشواریاں پیدا کی گئیں۔ انہیں اکثر اس حلقۂ انتخاب میں نہیں جانے دیا گیا جہاں سے وہ مجلس ملی کے لئے کھڑا ہونا چاہتے تھے تہران کے قانونی کالج کے صدر ڈاکٹر سنادی ایک حلقہ سے مجلس ملی کی ممبری کے امیدوار تھے مگر انہیں اس حلقہ میں پہنچنے نہیں دیا گیا۔ تہران کے اخبار وں نے صاف لکھا کہ یہ تمام شرارتیں کرنل فلیچر کی ہیں۔

حکومت انگریزوں کے زیر اثر تھی۔ اور اس نے الکشن اس ڈھنگ سے کرلئے کہ انگریزوں کو اپنے ارادوں میں زیادہ سے زیادہ کامیابی ہو۔ جنوب میں انتخابات پہلے ختم ہوگئے اور جنوبی نمائندوں نے تہران پہنچکر شمال کے نمائندوں کا انتظار کئے بغیر مجلس ملی کا اجلاس شروع کر دیا۔ اور نہایت ناجائز طریقے سے شمال کے تین نمائندوں کے انتخاب کو مسترد قرار دیا۔ انہیں تین میں تبریز کے نمائندے جعفر پیشہ وری بھی تھے جو اب آذربائیجان کی قومی حکومت کے وزیر اعظم ہیں۔ ضیاء الدین کی جماعت نے ان ناجائز طریقوں سے مجلس ملی میں اکثریت تو حاصل کرلی لیکن یہ اکثریت حزب تودہ کو دبانے کے لئے کافی ثابت نہ ہوئی۔ مجلس ملی میں ضیاء الدین کی جماعت ایرا دِ ملی اور حزب تودہ کے علاوہ ایک اور جماعت بھی ہے جس کے لیڈر ڈاکٹر مصدق اور قوام السلطنہ ہیں، یہ جماعت دونوں کے بین بین ہے۔

سید ضیاء الدین تہران میں ایسے لوگوں کی وزارت چاہتا تھا جو بلا چون و چرا ان کی ہدایتوں پر عمل کریں۔ چنانچہ بیات اور حکیم الملک کی حکومتوں کو اسی وجہ سے یکے بعد دیگرے مستعفی ہونا پڑا کہ ضیا اور اس کے انگریز آقا ان کے کام سے پوری طرح مطمئن نہیں تھے۔ جون ۱۹۴۵ء کے بعد محسن صدر

انگریزوں کی سازشیں

اس سلسلہ میں سب سے پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ سید ضیاء الدین طباطبائی کو وہ ایران واپس لے آئے

سید ضیاء الدین کو جب رضا خاں نے وزارت عظمیٰ کے عہدے سے برطرف کیا تو لوئی فشر کی روایت ہے کہ سید موصوف "انگریزوں کی موٹر میں ایران سے فرار ہو کر بغداد اور پھر وہاں سے فلسطین چلا گیا"۔ انگریزوں نے اسے رہنے کے لئے ایک اچھا سا بنگلہ دے دیا تھا۔ اب کوئی بیس برس بعد سید ضیا انگریزوں ہی کا لایا ہوا ایران آیا۔ آتے ہی رجعت پرستوں نے اسے اپنی جماعت مجلس اپادلی کا لیڈر بنا دیا اور سارے ایران کے رجعت پرست، بڑے بڑے تاجر اور کارخانہ دار جن کی تجوریاں چوربازار کے روپوں سے بھری ہوئی تھیں سید ضیا کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔

سید ضیا نے عوام کی خدمت کا ڈھونگ رچانے کے لئے کئی جگہوں پر امدادی کمیٹیاں بنائیں اور ان کے لئے اپنے دولتمند سرپرستوں سے بڑی بڑی رقمیں وصول کیں لیکن تھوڑے ہی دنوں میں عوام کی امداد کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ گرگان میں جب زلزلہ آیا تو مصیبت زدگان کی مدد کے لئے سید ضیا نے ایک کروڑ ریال جمع کئے لیکن مجلس میں گرگان کے نمائندہ فلسفی نے ۲۲ رمئی ۱۹۴۵ء کو سید ضیا کی موجودگی میں اعلان کیا کہ مصیبت زدوں کی امداد پر صرف تیس ہزار ریال خرچ کئے گئے اور باقی ریال کا کوئی پتہ نہیں۔ سید ضیا اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔

ضیا کی واپسی پر انگریزوں نے جنوبی ایران میں اس کا خوب پروپگنڈا کیا۔ اس

تعداد سے ان کی طاقت اور مقبولیت کا قطعی کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ سامراجی اخباروں کے نامہ نگار بھی یہ مانتے ہیں کہ آج ایران میں الکشن ہوں تو مجلس ملی میں تین چوتھائی سے بھی زیادہ ممبر حزب تودہ کے ہوں گے۔ انگریز سرمایہ داروں کے ترجمان اکانومسٹ لندن نے لکھا کہ

"موجودہ مجلس میں اگر کوئی گروہ پارٹی ڈسپلن کے تحت کام کرتا ہے تو وہ حزب تودہ ہے۔ تودہ کے ممبروں کی تعداد تو بہت کم ہے۔ مگر مجلس کے اندر اور باہر ان کے مظاہرے بڑے شاندار ہوتے ہیں۔"

حزب تودہ کے کارکنوں نے سارے ایران میں مزدوروں کی یونینیں قائم کی ہیں جنہیں فارسی میں "اتحادیہ کارگراں" کہتے ہیں۔ ان کی طاقت کا اندازہ اس حقیقت سے کیا جا سکتا ہے کہ ان کے ممبروں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ پورے ایران میں مزدوروں کی تعداد پانچ چھ لاکھ سے زیادہ نہیں۔ اصفہان اور دوسرے صنعتی شہروں میں اتحادیہ کارگراں کی طاقت اتنی بڑھ چکی ہے کہ کارخانہ داروں اور سرکاری افسروں کو ہر مسئلہ پر ان کی رائے لینی پڑتی ہے۔

حزب تودہ کے بڑھتے ہوئے اثرات کا ایک اور اظہار اس کے اخباروں کی مقبولیت ہے۔ چنانچہ اس وقت تہران میں حزب تودہ کے اخبار رہبر کی اشاعت تمام دوسرے اخباروں سے زیادہ ہے۔

آثار بتا رہے تھے کہ اگر حزب تودہ کی طاقت اسی رفتار سے بڑھتی رہی تو تھوڑے ہی دنوں میں ایران کے موجودہ حکمراں طبقے کا نام و نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ اس کی سب سے زیادہ فکر انگریزوں کو لاحق ہوئی۔ چنانچہ حزب تودہ سے لڑنے کے لئے وہ ایران کے رجعت پسندوں کو منظم کرنے لگے۔

اس وقت اس کا ساتھ دیا چنانچہ جرمنوں کے جانے کے بعد اس گروہ نے فوراً مختلف سرکاری محکموں کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لئے امریکہ سے مشیر منگوائے۔ ایران کی تاریخ میں برابر ایسے مشورے دینے والے بلائے گئے ہیں اور سچ پوچھیے تو وزیروں کے دستخط سے انہیں مشیروں کا حکم چلتا ہے۔

تودہ پارٹی ان دو ہزار گھرانوں کے غلبہ و اقتدار کو مٹانا چاہتی ہے۔ اس کا مطالبہ ہے کہ ملک میں جمہوری اصلاحات نافذ کی جائیں۔ مزدوروں کو جمہوری حقوق دیئے جائیں اور ان کے لئے رفاہ عام کا انتظام کیا جائے۔ کسانوں کے لئے تودہ پارٹی کا مطالبہ ہے کہ سرکاری زمین کسانوں میں تقسیم کی جائے اور بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کی زمینیں خرید کر کسانوں میں بانٹ دی جائیں تیسرا مطالبہ یہ ہے کہ ایران کی مختلف اقلیتوں کے ساتھ برابری کا برتاؤ کیا جائے اور آذربائیجان اور کردستان جیسے صوبوں کو جن کی زبان، تہذیب و تمدن وغیرہ باقی ایران سے مختلف ہیں، خود مختاری عطا کی جائے۔

تودہ پارٹی کی مقبولیت دن دونی رات چوگنی بڑھتی رہی۔

حکمراں طبقہ نے اور جنوب میں انگریزوں نے پورا زور لگا دیا کہ حزب تودہ ایران کی سیاسی زندگی میں قدم نہ رکھنے پائے۔ مگر ان کی انتہائی مخالفت، چالبازیوں اور ظلم اور زبردستی کے باوجود حزب تودہ کے کچھ نمائندے مجلس ملی میں پہنچ ہی گئے۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اصفہان میں جو انگریزوں کے حلقہ میں ہے تودہ پارٹی کے نمائندے فداکار کو چونتیس ہزار میں تیس ہزار ووٹ ملے جس دن فداکار مجلس ملی میں شرکت کے لئے روانہ ہوا ہزاروں آدمیوں کا جلوس اسے اصفہان سے رخصت کرنے آیا۔ مجلس ملی کے ایک سو بیس ممبروں میں آٹھ تودہ پارٹی کے ممبر ہیں اور کوئی بیس پچیس تودہ پارٹی کے حامی ہیں لیکن اس

گھروں میں خاموش بیٹھ گئے۔ لیکن جنوب میں حالات بد سے بدتر ہوتے گئے یونان اور انڈونیشیا اور مصر کی طرح عوام کی تحریک دبا دی گئی۔ اور منافع خوروں، ذخیرہ بازوں اور زمینداروں اور قبائلی سرداروں کو کھل کھیلنے کا موقع ملا۔

ایران میں اس وقت دو دنیائیں ہیں۔ ایک ہے جمہورکی، تودہ کی دنیا جہاں ایران کی صد سالہ تحریک آزادی و جمہوریت میں نئی جان پڑ گئی ہے۔ دوسری دنیا میں ابھی تک "کارگراں" پیسے جلتے ہیں اور "خواجگان" کا بول بالا ہے اور یہیں سامراجیوں کو سازشیں کرنے کا اور اپنے قدم جمانے کا موقع ملتا ہے۔

ایران میں ان دونوں دنیاؤں کی ٹکر بہت پرانی ہے۔ انیسویں صدی میں جمال الدین افغانی نے اس کا علم بلند کیا تھا۔ لیکن آج اس کا زور و شور، اس کی گھن گرج، اس کی شدت پہلے سے کہیں زیادہ ہے

نئی جمہوری تحریک

تودہ پارٹی کی ساری جدوجہد اس حکمران گروہ کے خلاف تھی جس کے پردے میں انگریز اور امریکی راج کرتے تھے اور جو ابھی تک ایران کی معاشی اور سیاسی زندگی پر چھایا ہوا تھا۔ ایران کے ان دو ہزار دولتمند گھرانوں کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ اپنے اصول بے اصولی میں بھی یہ ایک چیز پر ہمیشہ قائم رہے۔ اپنے ملک کے عوام سے اور سوویت یونین سے انھوں نے ہمیشہ نفرت کی اور سامراجیوں میں جس وقت جس کا ستارہ اوج پر رہا

سارا اناج ضبط کر لیتی اور لوگوں میں تقسیم کر دیتی۔ اس کے علاوہ سرخ فوج نے روس سے اناج اور دوسری چیزیں منگوا کر تقسیم کیں۔ جہاں تک روسی سپاہیوں کے طرز عمل کا تعلق ہے، ہر وہ شخص جو ایران سے آتا ہے ان کی شرافت اور ذمہ داری کے احساس کا اعتراف کرتا ہے۔ مدراس کے اخبار ہندو کے نامہ نگار نے لکھا کہ "ایران میں سرخ فوج کا طرز عمل ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے۔"

(ہندو۔ ۲۵۔ نومبر ۴۵ئ)

انگریز، امریکی اور سوویت فوجوں کے اسی فرق کو دیکھ کر مولانا عبیداللہ سندھی نے فرمایا تھا کہ "جنگی ضرورتوں کی وجہ سے برطانیہ اور روس دونوں ایران میں اپنی فوجیں بھیجنے پر مجبور ہوئے اور دونوں نے آدھے آدھے ملک کو اثر میں لے لیا لیکن دونوں ملکوں کی فوجوں کی جو روش ہے۔ اس میں بہت فرق ہے۔ روسی ایران میں اشتراکی پہلے ہیں اور روسی بعد میں۔ اور ظاہر ہے برطانیہ والے پہلے بھی انگریز ہیں اور بعد میں بھی انگریز۔"

(ملاحظہ ہو مولانا عبیداللہ سندھی از پروفیسر محمد سرور صفحہ ۲۲۶)

کلکتہ کے روزنامہ اسٹیٹس مین کو بھی جو انگریز سرمایہ داروں کا ترجمان اور سوویت یونین کا سخت دشمن ہے، یہ تسلیم کرنا پڑا کہ "شمالی ایران میں پچھلے چند برسوں میں نمایاں ترقی ہوئی ہے۔ کئی زمیندار چلے گئے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کسان خوش ہیں۔"

غرضکہ گذشتہ چار، پانچ برسوں میں ایران میں دو ایران بن گئے ہیں۔ شمال میں عام لوگوں کو آزادی ملی۔ مزدوروں اور کسانوں کی تحریک پیدا ہوئی اور تیزی سے بڑھی اور پھلی پھولی۔ ذخیرہ بازی اور منافع خوری کا خاتمہ ہوا۔ زمیندار اور سرمایہ دار جمہوریت کے نشو ونما سے گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے یا اپنے

آزادی سے سڑک پر چل نہیں سکتی تھی۔

کمپنی نے دولتمند ایرانیوں کو رشوتیں دے کر اپنا طرفدار بنا لیا۔ بدقسمتی سے ان کو ایسے لوگ بھی مل گئے جو ان کے کہنے پر اپنے ہی بھائیوں سے لڑنے لگے۔ ایران کے دو ہزار دولتمند گھرانوں کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ رائٹر کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ

"روس میں انقلاب ہونے کے بعد ان دو ہزار گھرانوں نے روس سے منہ پھیر لیا تھا۔ انگریزوں سے ان کے سماجی اور سیاسی تعلقات قائم ہوئے۔ جب جرمنوں کا عروج ہوا تو وہ جرمنوں سے مل گئے۔ وہ یورپ سے بیویاں بیاہ کر لائے۔ برطانیہ کی کسی خاص کوشش کے بغیر جرمنوں کے زوال پر ان لوگوں میں برطانیہ کا اثر پھیلتا گیا۔"

پھر بھلا انگریز ان کی سرپرستی کیسے نہ کرتے؟ نتیجہ یہ ہوا کہ جنوبی ایران میں بھی دولتمند گھرانے ایران کی معاشی زندگی پر چھا گئے۔ ذخیرہ بازی اور منافع خوری عام ہو گئی۔ غذا کی قیمتیں بہت بڑھ گئیں۔ ایک جوڑہ جوتے کی قیمت دو سو روپیہ سے زیادہ تھی۔ کپڑا ایران میں ملتا ہی نہ تھا۔

لیکن شمال میں جہاں سویت فوجیں مقیم تھیں، حالات بالکل مختلف تھے۔

انگلستان کے اخبار آبزرور کے نامہ نگار نے سویت یونین کو برا بھلا کہنے کے بعد یہ تسلیم کیا کہ شمالی ایران میں روسیوں نے کئی اصلاحات جاری کی ہیں جن کی بہت دنوں سے ضرورت تھی۔ انہوں نے باشندوں کے معیار زندگی کو اونچا کرنے میں بڑی مدد دی ہے"۔ (ملاحظہ ہو آبزرور۔ مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۴۵ء)

سرخ فوج نے نفع خوری اور ذخیرہ بازی کا انسداد کیا۔ تہران میں محلہ محلہ غذائی کمیٹیاں بنائی گئیں۔ جو لوگوں کی ضروریات زندگی کی فراہمی کا بندوبست کرتی تھیں۔ اگر کوئی شخص اناج کا ذخیرہ جمع کرتا پایا جاتا تو محلہ کی غذائی کمیٹی اس کا

میں حزب تودہ کے وجود کو گوارا کیا۔ لیکن استالن گراد میں جرمنوں کی شکست نے جنگ کا پلہ بدل دیا۔ جرمنوں کے ایران آنے کا کوئی خطرہ نہیں رہا۔ انگریزوں کو ایران کے عوام کی حمایت کی ضرورت بھی نہ رہی چنانچہ حزب تودہ کا وجود اب خطرناک سمجھا جانے لگا۔ وہ آزادی اور جمہوریت کا مطالبہ کرتی تھی۔ انگریز سامراجیوں کی منڈی میں یہ جنس نایاب ہے۔

جنگ کا رخ بدلتے ہی انگریز سامراجیوں کی نگاہیں بدل گئیں۔ حزب تودہ کو دبانے کی کوششیں ہونے لگیں۔ اینگلو ایرانی کمپنی نے پھر ایران کے لوگوں کو ستانا اور پریشان کرنا شروع کیا۔ کمپنی نے اپنے نئے اور پرانے ایرانی افسروں میں پھوٹ ڈالی مختلف درجہ کے افسروں کے لئے مختلف قسم کی بسیں چلائی گئیں۔ سڑکوں کے نام فارسی سے بدل کر انگریزی میں کر دیئے گئے۔ کمپنی کے دفتر محاسبی سے تمام ایرانیوں کو نکال کر ان کی جگہ مدراسیوں کو مقرر کیا گیا تاکہ ایرانی یہ نہ جاننے پائیں کہ کمپنی کو کتنا منافع ہوا۔ پانسو آدمیوں کو سات آٹھ سو روپیہ مہینہ تنخواہ اور مفت قیام و طعام کے وعدے پر فلسطین سے بلایا گیا اور انہیں عہدوں پر کام کرنے والے ایرانیوں کی تنخواہ گھٹا کر چار سو روپیہ ماہانہ کر دی گئی۔ فلسطین کی ایک یہودی کمپنی کو اینگلو ایرانی کمپنی کے لئے فلسطین سے مزدور لانے کا ٹھیکہ دے دیا گیا۔ ایران میں مدراسیوں عربوں یہودیوں اور آرمینیوں وغیرہ کو لانے کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ آپس میں لڑیں اور ایک دوسرے سے نفرت کریں اور انگریز کمپنی اپنا منافع بنائے اور جنوبی ایران پر حکومت کرے۔

ایرانیوں کے خلاف طرح طرح کا امتیاز برتا گیا کلب گھروں کے دروازے ان پر بند کر دیئے گئے۔ انہیں مجبور کر دیا گیا کہ اپنے لئے الگ بانگاہیں کلب گھر بنائیں۔ انگریز اور امریکی سپاہیوں کی بدسلوکی کا یہ عالم تھا کہ کوئی ایرانی عورت

اتحادیوں کی آمد

رضا شاہ کی برطرفی کے بعد جیسے دریا کا بند ٹوٹ گیا ہو۔ جمہوری تحریک ایک بڑے سیلاب کی طرح سارے ملک میں پھیل گئی۔ عام ایرانیوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ان کے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا۔

لوگوں کو چھاپے خانہ اور تقریر کی آزادی مل گئی۔ مزدور اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے اور اپنے حالات زندگی کو بہتر بنانے کے لئے اپنی تنظیم کر سکتے تھے۔ اپنی یونین —— اتحادیہ کارگران —— بنا سکتے تھے۔ چنانچہ اتحادی فوجوں کے آنے کے بعد پہلی بار ایران میں مزدوروں کی یونینیں قائم ہوئیں اور ایرانی جمہوریت پسندوں کی جماعت حزب تودہ جو اب تک خفیہ زندگی گذارتی آئی تھی اکھلم کھلا کام کرنے لگی۔

لیکن بدقسمتی سے ایران دو حصوں میں بٹ گیا ہے۔ تہران کے شمال میں روسی فوجیں تھیں اور جنوب میں انگریز اور امریکی۔ دونوں علاقوں کے حالات میں بڑا فرق تھا۔

اتحادی فوجوں کا بنیادی کام ایران کو فاشسٹوں اور ان کے گماشتوں کے وجود سے پاک کرنا تھا۔ اس کے بغیر اور باتیں تو الگ رہیں ایران کی بندرگاہوں سے سوویت یونین تک جنگ کا سامان بھی نہیں پہنچایا جا سکتا تھا۔ اس لئے جنگی ضرورتوں سے مجبور ہو کر انگریزوں نے بھی جنوب کے علاقوں میں کچھ جمہوری آزادیاں اور حزب تودہ کو کام کرنے کی اجازت دی۔ انہیں ڈر تھا کہ نازی فوجیں کہیں قفقاز سے ہو کر ایران نہ آ پہنچیں اور ایران بھی لڑائی کا میدان نہ بن جائے۔ ایسی صورت میں عوام کی حمایت کی سخت ضرورت ہو گی۔ اس حمایت کی خاطر انگریزوں نے جنوبی ایران

نے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ اپنی جنوبی سرحدوں کی حفاظت کی خاطر نازیوں سے رضا شاہ کے ساز باز کا خاتمہ کرے۔ ۱۹۲۱ء کے سویت ایرانی معاہدہ کی رو سے سویت یونین کو یہ حق تھا کہ وہ ایران سے اپنے دشمنوں کے نکالنے کا مطالبہ کرے اور اگر ایرانی حکومت یہ نہ کر سکے تو سویت اس کام کے لئے خود اپنی فوجیں بھیجے۔ چنانچہ سویت حکومت نے رضا شاہ سے مطالبہ کیا کہ ایران میں جتنے نازی ہیں انہیں فوراً نظر بند کر دیا جائے۔ جب رضا شاہ نے اس مطالبے پر کوئی توجہ نہ دی تو مجبور ہو کر سویت یونین کو اپنے حق سے کام لینا پڑا۔ شمال میں سویت فوجیں اور جنوب میں برطانوی فوجیں بھی ایران میں داخل ہو گئیں اور انہوں نے عارضی طور پر ایران پر قبضہ کر لیا۔

رضا شاہ کی بیس سالہ جمہوریت دشمنی کا یہ لازمی نتیجہ تھا۔ ایران کو سامراجی اثرات سے آزاد کرنے کا واحد اور صحیح راستہ یہ تھا کہ ایران کے عوام کو جمہوری بنیاد پر متحد اور منظم کیا جائے اور دنیا کی اکیلی اور سب سے بڑی جمہوریت سویت یونین کی طرف دوستی اور تعاون کا ہاتھ بڑھایا جائے۔ سامراجی لٹیروں کی اس دنیا میں چھوٹے ملکوں کی آزادی کی ضمانت تنخواہ دار سپاہی نہیں ہو سکتے۔ اس کی ضمانت صرف ایک ہے اور وہ ہیں اس ملک کے عوام، دوسرے ملکوں کے عوام اور سویت یونین کے عوام جنہوں نے اپنی انقلابی جدوجہد سے دنیا میں پہلی بار ایک حقیقی جمہوری ریاست قائم کی۔ رضا شاہ نے عوام کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ اس نے ایک سامراجی سے بچنے کے لئے دوسرے سامراجی کے دامن میں پناہ لی۔ مگر سامراجیوں سے کبھی کسی کو آزادی نہیں ملی ہے۔ بھیڑیے کی آغوش میں بھیڑ کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔

رضا شاہ اپنی غلط پالیسی کی وجہ سے نہ تو اپنے ملک کے عوام کو متحد کر سکے اور نہ ایران میں ایک مضبوط جمہوری نظام کی داغ بیل ڈال سکے اور جب دوسری جنگ عظیم چھڑی تو انہیں ناکام و نامراد ہو کر اپنے وطن سے نکل جانا پڑا۔

ہٹلر کا ستارہ اوج پر آیا تو رضا شاہ انگریزوں کا اثر کم کرنے کی خاطر ہٹلر سے جا ملا۔ انگریزوں کا اثر کچھ دنوں کے لئے کم ضرور ہوا مگر فسطائی اثرات بڑی تیزی سے بڑھنے لگے۔ حکومت کے تمام محکموں میں نازی مشیر مقرر کئے گئے۔

مارچ ۱۹۳۸ء میں رضا شاہ نے جرمن حکومت کو ایران میں ہوائی اڈہ بنانے کی اجازت دی جس پر برلن سے ٹوکیو جانے والے جہاز اتر سکتے تھے۔ جرمن کمپنیوں کو ایران میں کپڑے، شیشے اور ٹینی اور کارخانے بنانے کی اجازت دی گئی۔ ۱۹۳۸ء میں ایک جرمن فرم نے تہران کے نزدیک کوئلہ کی کانوں کا پٹہ لیا۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء میں تیل کے پٹے کے بارے میں گفت و شنید کرنے کے لئے ایک جرمن مشن تہران آیا۔

جرمنی سے مشینیں اور دوسرے سامان کی درآمد ہونے لگی۔ سامان کے ساتھ جرمن انجینئر اور کارکن بھی آئے۔ تبریز کے زیادہ تر کارخانوں کے مینجر جرمن تھے۔ ٹیلیفون، ٹیلیگراف اور ریل کے اسٹیشنوں پر جرمن افسر مقرر کئے گئے۔ ۴۰-۱۹۳۹ء میں ایرانی لڑکوں کو تعلیم دینے کے لئے جرمن پروفیسر بلائے گئے۔ مجلس ملی کے چھاپہ خانہ کا مینجر بھی ایک جرمن تھا۔ زراعتی کالج کا صدر مدرس جرمن تھا۔ جرمنی سے پروپگنڈے کی فلمیں آتی تھیں اور لوگوں کو مفت دکھائی جاتی تھیں۔

مختصر یہ کہ ایرانی حکومت کے سارے کل پرزے جرمنوں کے ہاتھ میں تھے وہ اس کو جس طرح چاہتے چلاتے تھے۔ رضا شاہ کی جمہوریت دشمنی نے اسے انگریزی سامراجیت کی آغوش سے نکال کر نازی فاشستوں کی آغوش میں پہنچا دیا تھا۔

لہٰذا جب جون ۱۹۴۱ء میں ہٹلر نے سوویت یونین پر حملہ کیا تو سوویت کے

جمہوری راستہ کو ترک کرنے کا لازمی نتیجہ تھا کہ رضا شاہ جمہوریت کے بدترین دشمنوں کی "لڑاؤ اور حکومت کرو" والی پالیسی پر بھی عمل کرے۔

رضا شاہ نے عوام کو تمام شہری اور جمہوری حقوق سے محروم کر دیا۔ کوئی اخبار اس کی اجازت کے بغیر جاری نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تقریر اور تحریر اور جلسہ کرنے یا کوئی ادارہ قائم کرنے کی قطعی آزادی نہیں تھی۔ آذربائیجانیوں اور کردوں کو دفتروں یا اسکولوں میں اپنی مادری زبان استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی۔

رضا شاہ نے سماجی زندگی کے بعض شعبوں میں ترقی کا قدم ضرور اٹھایا جیسے انہوں نے عورتوں کا پردہ اٹھا دیا۔ یا یورپی لباس کو رواج دیا۔ مگر یہ اصلاحات بہت سطحی تھیں اور ان کی حیثیت یورپ کی ادنیٰ قسم کی نقالی سے زیادہ نہیں جہاں تک یورپ کی اچھی باتوں کو اختیار کرنے کا سوال ہے رضا شاہ کی کوششیں صفر کے برابر ہیں۔ مثلاً ایران کے شہروں میں یورپی ٹوپی پہننا تو لازمی قرار دیا گیا مگر یورپ کی دیکھا دیکھی ابتدائی تعلیم مفت اور جبری نہیں کی گئی۔ چنانچہ تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والوں کا تناسب کبھی ۲ فی صدی سے زیادہ نہیں ہوا۔

ہر ملک کی اور ہر جماعت کی قومی اور بین الاقوامی پالیسی میں چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ اپنے ملک میں جمہوریت کو کچلنے والے کبھی دنیا کے جمہوریت پسندوں سے محبت نہیں کر سکتے۔ رضا خاں جس نے ایک فوجی افسر کی حیثیت سے ۱۹۰۸ء میں تبریز کے جمہوریت پسندوں پر گولی چلائی تھی اور ۱۹۲۰ء میں رشت میں بالشویکوں سے لڑ کر ہار گیا تھا۔ بادشاہ بننے کے بعد بھی سوویت یونین کا دشمن رہا۔

رضا شاہ کی اس قومی اور بین الاقوامی پالیسی کی بدولت ایران میں کبھی اتنی طاقت نہ آ سکی کہ وہ جنوبی ایران میں اینگلو ایرانی آئل کمپنی کی بداعمالیوں کا خاتمہ کر سکے اور ایران کو انگریزوں کے پنجۂ اقتدار سے آزاد کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب

ملوں [illegible]
اپنے کھیت [illegible]
[illegible]
ان میں سے کسی [illegible]
وصول [illegible]
اپنا پڑتا ہے [illegible] وقت [illegible]
[illegible]

مزدوروں کی [illegible]
کی اجرت مقرر کرنے کا [illegible]
کرے۔ مزدور اپنی اجرت بڑھانے [illegible]
حال کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے ہے۔ [illegible]
قانون بنایا تھا جس کی دفعہ ۲۰۴ کی رو سے

"مزدور کو منع کیا جاتا ہے کہ وہ کسی [illegible]
جس سے کارخانے کے مالک کو نقصان پہنچے [illegible]
ورزی کرے [illegible]
یہ نقصان پورا کرے گا بلکہ اسے سات روز قید یا بیس روپیہ جرمانہ کی سزا
بھی بھگتنی ہوگی۔"

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کتاب [illegible]
[illegible]
[illegible]

ممبروں کا کام صرف یہ تھا کہ رضا شاہ جو کچھ کہیں اس کی ہاں میں ہاں ملائیں۔

حکومت کا پورا ڈھانچہ اوپر سے نیچے تک غیر جمہوری تھا۔ تمام مقامی جماعتوں کے عہدہ داروں کو خواہ وہ تہران کا ممبر بلدیہ ہو یا کسی دیہستان کا چودھری مرکزی حکومت نامزد کرتی ہے کسی کا انتخاب نہیں ہوتا بقول ایلول سٹن "تمام اعلٰے عہدے دار تہران کے رہنے والے ہیں اور اس وجہ سے وہ مقامی باشندوں کو نیچی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور ان کی زندگی کے مسائل میں قطعی دلچسپی نہیں لیتے۔" (جدید ایران۔ صفحہ ۷۹)

ایرانی عدالتوں میں وہ تمام خرابیاں پائی جاتی ہیں جن سے ہم ہندستان والے انگریزی عہد حکومت میں واقف ہو چکے ہیں۔ قانون کی نظر میں سب لوگ برابر نہیں ہیں نتیجہ یہ ہے کہ اونچے طبقے والوں کے ساتھ رعایت اور نرمی برتی جاتی ہے اور غریبوں سے سختی۔ ایلول سٹن لکھتا ہے کہ "عدالت کے عہدہ دار ابھی تک لوگوں کی دولت و ثروت اور ان کے مرتبہ سے متاثر ہو جایا کرتے ہیں ان کی اس کمزوری کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آدمی روپیہ دے کر قید کی سزا سے رہائی پا سکتا ہے۔" (جدید ایران۔ صفحہ ۸۱)

حکومت کا نصف بجٹ فوج اور پولس کے لئے وقف ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ فوج اور پولس کے عملے کی حالت اچھی ہوگی۔ ایک سپاہی کی ماہوار تنخواہ صرف ساڑھے سات روپیہ ہے۔ بقیہ رقم بدانتظامی کی نذر ہو جاتی ہے یا اعلیٰ افسران لے کر ہضم کر جاتے ہیں

کسانوں کے بارے میں ایک ایرانی مصنف فتح خاں نے جو رضا شاہ کے مداحوں میں سے ہے لکھا کہ "کسانوں کی بڑی تعداد زمین سے محروم ہے۔ ان کی زندگی زمینداروں کے رحم و کرم پر ہے۔"

ایران کی بدنصیبی کہ رضا شاہ نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔

رضا شاہ کی خواہش ضرور تھی کہ ایران آزاد متحدہ اور طاقتور ہو۔ مگر اس کا ایران جاگیرداروں اور فوجی افسروں کا ایران تھا۔ وہ عوام کی آزادی اور طاقت سے ڈرتا تھا۔ ایران کے اتحاد کو قائم رکھنے کے لئے اس نے ایران کے عوام کو متحد نہیں کیا بلکہ فوج اور سنگینیں دکھا کر آذربائیجان کے جمہوریت پسندوں اور کردستان کے آزادی پسندوں کو اور جنوب کے سرکش سرداروں کو اپنی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔

امریکی مصنف لوئی فشر نے لکھا ہے کہ "عربستان اور بختیاری علاقے کے شیوخ اور خانوں سے جو اینگلو ایرانی آئل کمپنی کے وظیفہ خوار ہیں اور جنہیں انگریزوں نے ہتھیار دل سے نہیں کیا ہے' رضا خاں کو مجبور ہو کر گفت و شنید کرنی پڑی۔ لیکن ۱۹۲۳ء کے آخر تک رضا شاہ نے جنوب کے سرکش قبیلوں کو بھی خراج ادا کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور اپنی پلٹنوں کے لئے ان سے رنگروٹ بھرتی کئے تھے۔ جاگیری نظام کا معاشی ڈھانچہ نہیں ٹوٹا مگر جاگیرداروں نے فوجی آمر کے سامنے سر جھکا دیا۔"

رضا شاہ نے ان نوابوں اور خانوں سے اپنی طاقت کا لوہا منوا لیا مگر ان کی جاگیروں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ کسانوں پر ان کے مظالم پہلے ہی کی طرح جاری رہے۔ اس حکمت عملی کا تقاضا تھا کہ جاگیرداری اور بادشاہی کو قائم رکھا جائے۔ عوام کے جمہوری حقوق کا گلا گھونٹ دیا جائے۔ ایران میں رضا شاہ نے کوئی سیاسی جماعت نہیں بننے دی۔ مزدوروں کو اپنی مزدور یونین بنانے کی اجازت بھی نہ تھی۔ کوئی جمہوری تحریک سر نہ اٹھانے پاتی تھی۔ کہنے کو مجلس ملی اب بھی موجود تھی مگر اس کا انتخاب تمام بالغوں کی رائے سے نہ ہوتا تھا اور اس کے

رضا شاہ کا سورج سامراج دشمنی کے افق سے طلوع ہوا۔ اس کا ستارہ نسطائیت کی تاریکی میں ڈوب گیا۔

اس المیہ کی تفصیل میں عبرت کے ہزاروں نکتے پوشیدہ ہیں۔

رضا شاہ کے سامنے دو راستے تھے۔ وہ چاہتا تو ایرانی جمہوریت کا نافذ العمل طاقت اور اختیار ایران کے عام لوگوں کو سونپ دیتا، زمینداری اور جاگیرداری کے بوسیدہ نظام کو مٹا کر حق اور انصاف کا یہ نظام قائم کرتا کہ جو بوئے گا وہ کھائے گا اور زمین ان کسانوں کی ہوگی جو اپنی محنت کے عرق سے اس کی آبیاری کرتے ہیں۔ وہ اپنے ملک کے ان پڑھ کسانوں، اور مزدوروں اور درمیانی طبقہ کے لوگوں کو علم کے زیور سے آراستہ کرتا۔ ملک میں نئی نئی صنعتیں قائم کرتا اور اہل ایران کی فلاح و بہبود کے مادی وسائل مہیا کرتا، انہیں ان کی عظمتِ رفتہ کی یاد دلاتا اور آنے والی عظمتوں کے اہل بناتا۔ ان کی طاقت ایران کی طاقت ہوتی اور پھر کسی کی مجال نہ ہوتی کہ ایران کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی دیکھے اور اینگلو ایرانی آئل کمپنی کی ساری طاقت جس کے خلاف رضا شاہ برابر جدوجہد کرتے رہے چور چور کر دی جاتی۔

دوسرا راستہ یہ تھا کہ ایران جس حالت میں تھا اسی میں رہے، ایران کے لوگ افلاس اور جہالت کی تاریکی میں ڈوبے رہیں اور ان کی محنتوں کی کمائی پر زمیندار عیش و عشرت کے مزے لوٹیں، کسانوں کے افلاس کی بدولت ملک میں نئی صنعتیں نہ قائم ہو سکیں اور نہ نئے کالج اور اسکول کھولے جا سکیں۔ ایران کی ہر چیز ویسی ہو جیسی کل تھی اور آج بھی ہے۔ فرق صرف یہ ہو کہ کل وہ قاچاریوں کے سر کی زینت تھا اور آج پہلویوں کے۔ ایران پہلے ہی کی طرح کمزور رہے اور انگریز سامراجیوں کے رحم و کرم پر ہو۔

اپنی اندرونی پالیسی میں بھی نہایت رجعت پرست اور غیر جمہوری اصولوں کا پابند تھا۔ چنانچہ اس نے برسر اقتدار آتے ہی تمام جمہوریت پسندوں کو اور انگریزوں کے مخالفوں کو گرفتار کرکے جیل میں بند کردیا۔ نوجوان شاعر اور اخبار نویس عشقی نے سید ضیا کے ان مظالم کے خلاف احتجاج کیا تو اسے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ فرخی یزدی نے عشقی کی وفات پر مرثیہ لکھا تو اسے پکڑ کر جیل میں بند کردیا گیا سید ضیا کی بڑھتی ہوئی غیر مقبولیت سے اس کے وزیر جنگ رضا خاں نے پورا فائدہ اٹھایا اور موقع ملتے ہی سید کو وزارت عظمےٰ کے عہدے سے برطرف کردیا اور خود وزیر اعظم بن گیا۔ قاچاری خاندان کے آخری بادشاہ احمد کو ایران کی آب و ہوا زیادہ راس نہ معلوم ہوئی۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء میں اس نے ایران کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا اور یورپ چلا گیا۔

دو سال بعد رضا خاں نے احمد شاہ کو معزول کردیا اور خود نہایت تزک و احتشام سے ایران کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔

رضا شاہ پہلوی

رضا شاہ پہلوی کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ایران کو انگریزوں کی غلامی سے بچا لیا۔ اس کی کمزوری یہ ہے کہ اس نے ایرانی جمہوریت کو پنپنے نہیں دیا۔ وہ ایران کی آزادی چاہتا تھا مگر ایران کے عوام کی آزادی کا قائل نہ تھا۔ رضا شاہ کا اکیس سالہ دور حکومت اسی تضاد کا شکار رہا اور اسی تضاد نے آخر ایرانی جمہوریت کے ساتھ ساتھ ایرانی آزادی کو بھی خطرے میں ڈال دیا۔

حاصل تھیں ان سے دست بردار ہو گئی۔

۲۔ ایران کے جن علاقوں پر زار نے قبضہ کر لیا تھا وہ ایران کو واپس دے دیئے گئے۔

۳۔ روس کی رعایا پر ایرانی عدالت میں مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا تھا اور اس لئے ایران میں روس کی اپنی عدالتیں تھیں۔ سوویت یونین نے اس معاہدے کے ذریعہ ان عدالتوں کو توڑ دیا اور یہ اصول قائم کیا کہ اگر کوئی روسی ایرانی قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس پر بھی ایرانی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔

۴۔ ایران میں جو روسی عیسائی پادری اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے آتے تھے ان کا ادارہ سوویت حکومت نے توڑ دیا اور ان کی تمام جائداد ایرانی حکومت کے حوالے کر دی۔

۵۔ سوویت یونین نے وعدہ کیا کہ آرمینیا یا آذربائیجان کی جانب سے سوویت یونین کسی حملہ آور کو ایران نہ آنے دے گا۔ دوسری طرف ایرانی حکومت نے سوویت یونین کو یہ حق عطا کیا کہ اگر جنوب سے سوویت یونین پر حملہ ہو یا حملہ کی تیاری ہو تو سوویت یونین اس خطرے کو دور کرنے کے لئے اپنی فوجیں ایران میں لا سکتا ہے۔ اور ان تمام غیر ملکیوں کو ایران سے نکالنے کا مطالبہ کر سکتا ہے جو سوویت یونین کے خلاف کسی طرح کی کارروائی میں مصروف ہوں۔

۶۔ حکومت ایران نے وعدہ کیا کہ سوویت یونین جن مراعات سے دست بردار ہوا ہے وہ ہرگز کسی غیر ملکی حکومت کو نہیں دیئے جائیں گے۔

ایران میں اس عہد نامہ کی اور سوویت یونین کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ سید ضیاء اس کی مخالفت کرنے کی وجہ سے تمام ایرانیوں کی نظروں سے گر گیا۔ سید ضیا

میں اور نوخیز سوویت یونین کے خلاف زبردست پروپگنڈہ شروع ہوگیا۔ سوویت سفیر کی آمد پر سید ضیا کے حامیوں نے تہران میں سیاہ جھنڈیوں کا مظاہرہ کردیا۔ لیکن اس کے باوجود سید ضیا نہ تو مجلس ملی کو اینگلو ایرانی معاہدہ منظور کرنے پر آمادہ کرسکا اور نہ سوویت ایرانی معاہدے کو رد کراسکا۔ سید ضیاء مجلس ملی کے خلاف کوئی فوجی کارروائی بھی نہ کرسکا کیونکہ اس کا وزیر جنگ رضا خاں تھا جس کے ذاتی حوصلے سید ضیا سے بہت مختلف تھے اور اس لئے وہ سید ضیا کی حیثیت کو مضبوط بنانا نہیں چاہتا تھا۔ مجلس ملی نے اینگلو ایرانی معاہدے کے بجائے سوویت ایرانی معاہدے کو اپنی منظوری عطا کی جس کی گفت و شنید سید ضیاء کی وزارت بننے سے ایک ہفتہ پہلے مکمل ہوچکی تھی۔ سید ضیا کی مخالفت کے باوجود ۲۶ فروری ۱۹۲۱ء کو سوویت ایرانی معاہدے پر دونوں حکومتوں کے نمائندوں کے دستخط ہوگئے۔

سوویت ایرانی معاہدہ

ایران کی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا اور ایک انقلابی عہدنامہ تھا۔ یورپی حکومتوں سے ایران نے اب تک جتنے معاہدے کئے تھے سب میں ایران کو دبنا پڑا تھا۔ لیکن یہ پہلا معاہدہ تھا جس میں ایک یورپی حکومت نے ایران کی مکمل برابری کو تسلیم کیا اور ایران میں زار کی سامراجی پالیسی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا۔

اس معاہدے کی چند اہم دفعات یہ ہیں۔

۱۔ سوویت حکومت نے زار روس کے وہ تمام قرضے معاف کردیئے جو ایرانی حکومت کے پاس باقی تھے اور زار روس کی حکومت کو ایران میں جو مراعات

معطل کردیا جائے جب تک مجلس ملی اسے منظور نہ کرے۔ مجلس ملی کا اجلاس طلب کیا گیا ہے اور اب دیکھنا ہے کہ وہ اس عہد نامہ کو منظور کرتی ہے یا نہیں!"

سید ضیاء الدین طباطبائی

لیکن انگریزوں نے مجلس ملی کے اجلاس کا انتظار نہیں کیا۔ انہوں نے اجلاس سے پہلے ہی تہران میں اپنے ہمدردوں کی حکومت قائم کر لینی چاہی تاکہ ۱۹۱۹ء کے عہد نامہ کی منظوری میں کوئی شک باقی نہ رہے۔ اس کام کے لئے انہوں نے سید ضیاء الدین طباطبائی کا انتخاب کیا اور اسے رضا خاں کے پاس بھیجا تاکہ دونوں مل کر تہران پر حملہ کر دیں۔ ۱۹۲۱ء کی حکومتی تبدیلی اسی کا نتیجہ تھی۔

سید ضیا ۱۹۰۷ء میں تہران سے مشرق اور ندائے اسلام وغیرہ اخبارات شائع کرتا تھا اور انگریزوں کا پرانا نیاز مند تھا۔ سید ضیا نے تاریخ ایران بہ عہد نو اور میثاق ایران و برطانیا کے موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی جس میں ۱۹۱۹ء کے اینگلو ایرانی معاہدہ کی پُر زور حمایت کی لیکن اس سے بڑی کوئی دلیل نہ دے سکا کہ بالشویکوں کا مقابلہ کرنے کے لئے یہ عہد نامہ ضروری ہے! سید ضیاء کا خیال ہے کہ بالشویکوں سے لڑنے کے لئے غلامی کا طوق بھی پہننا پڑے تو پہن لو۔ انفرادی طور پر یہ طوق اس نے عرصہ ہوا پہن لیا ہے اور اب اسے ایران کو پہنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ دیکھ کر عبرت ہوتی ہے کہ یہ شخص جو آج سے تیس چالیس سال پہلے تحریک مشروطہ ایران کا حامی تھا، محض سوویت یونین سے نفرت کرنے کی وجہ سے انگریزوں کی آغوش میں پہنچ گیا اور اس طرح عملاً اپنے وطن کی آزادی کا بدترین دشمن بن گیا۔

سید ضیاء کے وزیر اعظم بنتے ہی ۱۹۱۹ء کے اینگلو ایرانی معاہدے کی حمایت

اولاً یہ کوئی جمہوری انقلاب نہیں تھا جس میں ایران کے عوام نے حصہ لیا ہو بلکہ محض ایک حکومتی تبدیلی تھی جس میں فوج کے ذریعہ سے حکومت کے وزیروں کو گرفتار کر کے سید ضیا اور رضا خاں نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ حکومت کے ڈھانچہ میں ایک عرصہ تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ انقلاب کے بعد چار سال تک پرانا بادشاہ اپنی جگہ پر قائم رہا۔ جہاں تک دستورِ حکومت کا تعلق ہے ایران میں آج تک وہی دستور رائج ہے جو ۱۹۰۶ء میں جاری کیا گیا تھا۔

دوسرے، یہ حکومتی تبدیلی انگریزوں کے ایما سے ہوئی تھی۔ قاچاری خاندان کے بادشاہوں کا نہ تو ایران میں کوئی وقار باقی تھا اور نہ ایران کے باہر! انگریز ایران میں ایسی حکومت چاہتے تھے جو ان کی ہدایتوں پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہی نہ ہو بلکہ ایسا کرنے کی صلاحیت اور عوام پر کافی اثر رکھتی ہو۔

ہم ۱۹۱۹ء کے اینگلو ایرانی معاہدے کا ذکر کر چکے ہیں جس کے ذریعہ ایران کو عملاً انگریزوں کی غلامی کا طوق پہنا دیا گیا تھا۔ جنرل پرسی سائکس اپنی تاریخ ایران میں لکھتا ہے کہ " امریکہ اور فرانس میں لوگوں پر یہ غلط اثر قائم ہوا کہ ہم نے ایران کو گھر کی باندی بنا لیا ہے...... ضرورت اس کی تھی کہ مجلسِ ملّی کا اجلاس فوراً طلب کیا جاتا اور عہد نامہ کو منظور کرا لیا جاتا۔ یہ نہیں کیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ نئی مجلس بنی تھی اور دستور کے مطابق وزیرِ اعظم کو استعفٰے دیکر دوبارہ وزارت ترتیب دینی تھی۔ لیکن وزیرِ اعظم وسوخ ڈرتا تھا کہ اگر اس نے عہد نامہ کو مجلس ملّی میں پیش کیا۔ تو لوگ اسے دوبارہ منتخب نہیں کریں گے۔ لیکن اس کے باوجود شاہ کے واپس آجانے پر وسوخ کی وزارت ٹوٹ گئی۔ اس کی جگہ پر جو حکومت آئی اس میں کئی وزیر ایسے تھے جنہوں نے جنگ عظیم کے زمانے میں جرمنوں کی حمایت کی تھی اس وزارت نے آتے ہی فیصلہ کیا کہ اینگلو ایرانی معاہدے کو اس وقت تک کے لئے

ایران پر بھی دراز ہو جائے"۔ (ملاحظہ ہو خلافت مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء)

پرنس فیروز کی یہ درخواست جمعیتہ الاقوام کے پاس پہنچی۔ لیکن فرانس یہ خار کھائے بیٹھا تھا کہ ایران کی لوٹ میں انگریزوں نے اسے کوئی حصہ نہیں دیا تھا۔ چنانچہ انگریزی مداخلت کے لئے پرنس فیروز کی درخواست فرانسیسی نمائندہ نے یہ کہہ کر نامنظور کرا دی کہ "۱۹۱۹ء کا اینگلو ایرانی معاہدہ منظوری کے لئے جمعیتہ الاقوام میں پیش نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے جمعیتہ ایران کے مسئلے پر بحث نہیں کر سکتی"۔ (دیکھئے تاریخ ایران از سر پرسی سائکس صفحہ ۵۲۶)

مگر جو کام انگریز جمعیتہ الاقوام کے پردے میں نہ کر سکے وہ انہوں نے خود ایرانیوں کی فوج کاسک ڈویژن کے ذریعہ پورا کرانا چاہا۔ سر پرسی سائکس لکھتا ہے کہ "بالشویکوں کے مقابلہ میں نہایت ذلت سے پسپا ہونے کے بعد کاسک ڈویژن نے برطانوی مورچہ کے پاس آکر پناہ لی اور قزوین کے نزدیک پڑاؤ کیا۔ ان کی شکست خوردگی اور پست ہمتی کا احساس دور کرنے کے لئے ایک انگریز افسر مقرر کیا گیا۔ بظاہر اسے بڑی کامیابی ہوئی۔ کیونکہ جب سید ضیاء الدین نے کاسک ڈویژن کے افسروں سے تعلقات پیدا کئے اور تجویز پیش کی کہ وہ تہران پر دھاوا کریں تو فروری ۱۹۲۱ء میں رضا خان نے تین ہزار آدمیوں کو لے کر دارالسلطنت تہران پر حملہ کر دیا اور حکومت پر قابض ہو گیا"۔

(تاریخ ایران از سر پرسی سائکس صفحہ ۵۴۵)

تہران میں نئی حکومت قائم ہوئی۔ سید ضیاء الدین طباطبائی اس حکومت کا وزیر اعظم بنا اور رضا خان وزیر جنگ!

یہ ہے ۱۹۲۱ء کے انقلاب ایران کی مختصر سی روداد!

اس انقلاب کی دو خصوصیتیں بہت نمایاں ہیں۔

ایرانی بندرگاہ میں پناہ لی۔ بولشویکوں نے تعاقب کیا۔ ان کے جہازوں نے انزلی کی بندرگاہ پر بمباری کی۔ انزلی سے پانسو انگریزوں کا فوجی دستہ بھاگ کر رشت پہنچا اور جب بولشویکوں نے وہاں بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا تو انگریزی دستہ قزوین میں پناہ گزیں ہو گیا۔ انگریزوں نے اس کے بعد ایرانی فوج کی کاسک ڈویژن کو روسی انقلابیوں پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ بالشویکوں کو کچھ دنوں کے لئے رشت خالی کرنا پڑا۔ لیکن جب انہوں نے دوبارہ حملہ کیا تو کاسک ڈویژن تتر بتر ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اور پیچھے لوگوں نے انگریز دستہ کے پاس قزوین آ کر دم لیا۔

اسی کاسک ڈویژن کا ایک افسر رضا خاں تھا۔

ایران میں بالشویک فوج کی کامیابی کا سبب اس کی فوجی برتری نہیں بلکہ ایرانی عوام کی حمایت اور ان کی عملی مدد تھی۔ چنانچہ سرخ فوج کی آمد کے موقع پر انگریزوں کے اور کاسک ڈویژن کے عقب میں عوام نے بغاوتیں کیں۔ ۱۹۲۰ء میں آذربائیجان میں اور گیلان میں بھی لوگوں نے بغاوت کا جھنڈا اٹھایا اور گیلان میں تو انہوں نے مقامی سوویت حکومت بھی قائم کر لی تھی ایران میں سرخ فوجوں کی آمد کا ہر جگہ خیر مقدم کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس زمانے میں روزنامہ 'خلافت' بمبئی نے یہ خبر چھاپی تھی کہ

"انزلی پر بولشویکوں کا قبضہ کوئی فعل معاندانہ نہیں بلکہ ایران اور بالشویکوں کے خوشگوار تعلقات پتہ دیتے ہیں کہ وہ بولشویکوں کو مدد کے لئے بلا رہا ہے پرنس فیروز وزیر خارجہ ایران کی جمعیتہ الاقوام سے یہ خواہش کہ انگلستان کو ایران میں مداخلت کی اجازت دی جائے اور بالشویکوں کو داخل ہونے سے روکا جائے بالکل انگریزوں کی مکاری کا نتیجہ ہے تاکہ انگلستان کا سایۂ حکومت

میدانوں تک ہر جگہ آناً فاناً میں بھڑک اٹھا شہنشاہیت کے قلب پر یہ ایک ایسی کاری ضرب تھی جس نے ہر ملک کے مزدوروں اور مظلوموں کے حوصلے بڑھا دیئے۔ اس واقعہ نے ساری انسانیت کی روح کو بیدار کر دیا۔ ہر طرف غلامی اور افلاس اور ظلم اور جہالت کے خلاف انقلاب کی صدائیں بلند ہونے لگیں ترکی میں مصطفےٰ کمال نے آزادی اور جمہوریت کے بچاؤ کے لئے پوری قوم کو متحد اور منظم کیا۔ ہندستان میں پہلی بار انگریزوں کے خلاف بہت بڑے پیمانے پر عدم تعاون کی تحریک شروع ہوئی۔ چین میں بھی انقلاب کے جھونکے آئے۔ بھلا انقلاب کی ان تیز و تند ہواؤں سے ایران کیسے محفوظ رہ سکتا تھا؟

ایران میں بھی انقلاب آیا۔ لیکن یہ محض سطحی انقلاب تھا۔ ایران کے عوام اتنے منظم نہ تھے کہ اس انقلاب کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے سکتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طاقت ایک گروہ کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے ہاتھ میں چلی گئی۔ ۱۹۲۱ء سے دوسری جنگ عظیم تک ایران اسی انقلاب کے سائے میں پل کر بڑھا ہے گذشتہ پچیس برسوں میں ایرانی سیاست کے اچھے اور برے دونوں پہلو اسی انقلاب کا پرتو ہیں۔

انقلاب روس کے بعد جب روسی فوجیں ایران سے ہٹ آئیں تو انگریزی فوجوں نے جنوب سے شمال تک سارے ایران پر قبضہ کر لیا۔ اور جنرل ڈنسٹرواِئل کے دستے یہاں سے بڑھ بڑھ کر قفقاز کی جمہوریت پر بھی حملے کرنے لگے تھے۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں میں روس میں انقلابیوں کا پلہ بھاری ہوا اور انگریزوں اور دوسرے مداخلت کرنے والوں کو پسپا ہونا پڑا۔ ان کے ساتھ انقلاب روس کے اندرونی دشمن بھی اپنی جانیں سلامت لے کر بھاگے چنانچہ اپریل ۱۹۲۰ء میں جنرل ڈینکن کے جہازی بیڑے نے بحر کیسپین میں انزلی کی

انگریز آج کی طرح ۱۹۱۴-۱۸ء کی جنگ کے بعد بھی ایران میں اپنے اثر و اقتدار کو مستحکم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ پیرس کی صلح کانفرنس میں ایرانی نمائندے کو اپنے ملک کی مکمل آزادی اور خود مختاری کے مطالبات پیش کرنے کی اجازت بھی نہ ملی۔ ۱۹۱۹ء میں انگریزوں نے ایرانی حکومت کو ایک عہدنامہ منظور کرنے پر مجبور کیا جس کی رو سے ایران کی حیثیت ایک غلام ملک سے زیادہ نہیں رہی۔ ایرانی حکومت کے لئے سیاسی اور فوجی مشیر مقرر کئے گئے جن کے "صلاح و مشورے" کے بغیر وہ کوئی قدم نہ اٹھا سکتی تھی۔ اور ایران کو مجبور کیا گیا کہ انگریزوں سے بیس لاکھ پونڈ کا قرض قبول کرے۔ یہ گویا ایران کو اس کی غلامی کی قیمت ادا کی جا رہی تھی تاکہ وہ کبھی آزاد ہونے کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔ روسی شہنشاہیت کا خطرہ مٹ چکا تھا۔ اس لئے انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور بغداد سے ہندستان تک ریلوے لائن بنانے کے جو منصوبے ترک کر دیئے گئے تھے ان کو عملی جامہ پہنانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ انگریزوں نے ایران میں ہوائی اڈے بنانے کا فیصلہ بھی کیا۔

انگریز سامراجیوں نے اپنے منصوبوں کے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح غور کر لیا تھا لیکن ایک پہلو بچ رہا تھا جو ہمیشہ ہر سامراجی کی نگاہ سے بچ رہتا ہے۔

انہوں نے ایران کے عوام کو اور ان کے جذبۂ آزادی کو نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ انسانی تاریخ کا یہ سبق بھول گئے تھے کہ جب عوام بیدار ہوتے ہیں اور ان کا جذبہ آزادی جوش میں آتا ہے تو بڑی سے بڑی سلطنت کی بنیادیں ہل جاتی ہیں اور بڑے بڑے فاتحوں کے منصوبے خاک میں مل جاتے ہیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔

انقلاب روس کے اثرات کسی ایک ملک تک محدود نہیں رہے تھے۔ یہ ایک ایسا شعلہ تھا جو مغربی یورپ کے کارخانوں سے لیکر چین اور ہندستان کے

سر زند کوکب مشروطہ زگردون کمال
بسر آید شب ہجراں و دمد صبح وصال
(جمہوریت کا سورج نکل آیا۔ ہجر کی رات تمام ہوئی۔ وصال کا دن آگیا)

لیکن رات کی تاریکی ابھی پوری طرح چھٹنے نہیں پائی تھی۔ مظفرالدین شاہ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آیا۔ ۱۹۰۷ء میں بادشاہ نے مجلس ملی اور دستوری حکومت کو کچلنے کی کوشش کی۔ مگر اصفہان اور شمالی ایران کے مسلح رضاکاروں نے بادشاہ کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ لیکن جون ۱۹۰۸ء میں بادشاہ نے روسی فوجیں بلوائیں۔ تہران میں فوجی قانون نافذ کیا گیا۔ مجلس پر بمباری کی گئی۔ مجلس کے ممبروں کو منتشر ہونے کا حکم دیا گیا اور جو لوگ زیادہ خطرناک سمجھے گئے انہیں گرفتار کر کے پھانسی دے دی گئی۔ بادشاہ نے روسی فوج کے افسر لیاخف کو تہران کا فوجی گورنر مقرر کیا۔

لیکن تہران کی شکست کے بعد بھی تبریز، رشت اور اصفہان نے انقلاب کا جھنڈا نیچے نہیں ہونے دیا۔ ۱۹۰۶ء کے انقلاب کے بعد ایران کے عوام نے مختلف صوبوں میں اپنی نمائندہ انجمنیں منتخب کر لی تھیں اور یہی انجمنیں اپنے اپنے علاقوں میں حکومت کے فرائض انجام دیا کرتی تھیں۔ تہران کے حادثہ کے بعد تبریز کی انجمن نے اپنی خود مختاری کا فیصلہ کیا اور بادشاہ کو معزول کرنے کا اعلان کیا۔ مظفرالدین شاہ کی فوجیں دس مہینے تک تبریز کا محاصرہ کئے پڑی رہیں مگر جمہوریت پسندوں نے ہتھیار نہیں ڈالے۔ آخر اپریل ۱۹۱۰ء میں زار روس کی فوجوں نے تبریز فتح کر کے مظفرالدین شاہ کے حوالے کر دیا۔

لینن نے اس موقع پر لکھا تھا کہ "ایران میں انقلاب کے دشمنوں کو کامیابی ہوئی۔ زار روس نے ایرانیوں کے ہاتھوں شکست کی ذلت اٹھانے کے بعد

کے لوگوں نے ہڑتال کر دی اور ۱۳ دسمبر ۱۹۰۵ء کو تقریباً دو ہزار مُلّا طالب علم اور تجار تہران سے نکل آئے اور ایران کے رواج کے مطابق شاہ عبدالعظیم کی درگاہ میں پناہ گزیں ہو گئے۔ ایران کی تاریخ میں یہ واقعہ ہجرت صغریٰ کے نام سے مشہور ہے۔

اس ہڑتال کا فوری اثر ہوا۔ مظفر شاہ نے تمام مسجدوں میں اعلان کرایا اور "مہاجروں" سے تحریری وعدہ کیا کہ ملک میں فوراً ایک عدالت خانہ قائم کیا جائیگا عین الدولہ اور علاؤ الدولہ جیسے نااہل اور بے ایمان وزرا برطرف کر دیئے جائیں گے اور عوام کے دوسرے مطالبات بھی پورے کیے جائیں گے۔ مہاجرین تہران لوٹ آئے اور اس دن یعنی ۱۲ جنوری ۱۹۰۶ء کو ایران کی تاریخ میں پہلی بار "زندہ باد ملت ایران" کا نعرہ بلند ہوا!

لیکن مظفر شاہ نے وعدہ پورا نہیں کیا۔ مشروطہ ایران کے پرستاروں کو ابھی اور بھی کئی آزمائشوں سے گذرنا تھا۔ تہران کی سڑکوں پر کئی بار مظاہرے ہوئے حکومت نے گولیاں چلائیں۔ جولائی ۱۹۰۶ء میں ایک بار پھر طالب علموں اور تاجروں اور کچھ اور لوگوں نے اپنے کاروبار بند کر کے شہر سے کوچ کر دیا اور قم میں پناہ لی۔ تہران کے برطانوی سفارت خانہ میں بھی تیرہ چودہ ہزار آدمی پناہ گزیں تھے اور ہر روز ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔

آخر مجبور ہو کر مظفر شاہ کو عوام کے مطالبات ماننے پڑے۔ ایک دستور نافذ کیا گیا جو آج تک ایران میں جاری ہے۔ عین الدولہ برطرف کر دیا گیا۔ مظاہروں میں جو سید شہید ہوئے تھے۔ اُن کا خون بہا ادا کیا گیا۔ ایران کے لوگوں نے بڑی دھوم دھام سے اس "فتح ملی" کا جشن منایا۔ ایک شاعر نے دستور کا خیر مقدم کرتے ہوئے لکھا۔

دیا گیا تھا کہ جس کسی کے پاس قانون کے پرچے پائے جائیں گے اسے سخت
سیاست سزا دی جائے گی۔

علامہ جمال الدین کی سیاسی تعلیمات کا اثر پہلے پہل ۱۸۹۰ء میں
جبکہ ناصر الدین شاہ نے پندرہ ہزار پونڈ کے عوض ایران میں تمباکو کی
تجارت اور برآمد انگریزوں کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا۔ ناصر الدین
حکم سے پورے ایران میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ ایران کے مجتہد اعظم
حسن شیرازی نے احتجاج کے طور پر تمباکو نوشی کی ممانعت کر دی۔ ا
ایک کونے سے دوسرے کونے تک تمباکو کا مکمل بائیکاٹ کر دیا
ہو کر شاہ کو اپنا حکم واپس لینا پڑا۔ لیکن انگریزوں نے پانچ لاکھ پونڈ
کا مطالبہ کیا اور بزدل بادشاہ نے انگریزوں ہی سے قرض لے کر
کو ادا کی۔ اس طرح ایران انگریزوں کا مقروض بن گیا۔

شاہ ناصر الدین کی انہیں حرکتوں سے محب وطن ایرانی بیزار
چنانچہ تخت نشینی کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر علامہ جمال الدین ا
کے ایک شاگرد مرزا رضا کرمانی نے یکم مئی ۱۸۹۶ء کو شاہ ناصر الد
قتل کر دیا۔

تمباکو کے انگریزی اجارے کے خلاف ایرانیوں کی یہ ہڑتال کوئی
ہڑتال نہ تھی۔ یہ دراصل اس آنے والے انقلاب کا پیش خیمہ تھی جس
ایران میں شاہی استبدادیت کی بنیادیں ہمیشہ کے لئے کھوکھلی ہو
بیسویں صدی کی ابتدا میں دنیا میں ہر طرف انقلابی تحریکیں اُ
کھیں۔ ۱۹۰۵ء میں جاپان کے ہاتھوں روس جیسے سفید فام
شکست نے ا ... غلام قوموں کے دلوں میں نئی امیدیں اور نیا حو

مشہور ہے۔ علامہ موصوف اتحاد اسلامی کے بانی اور علم بردار تھے مگر وہ ان مسلمانوں کا اتحاد چاہتے تھے جو فرنگی سامراجیت کی قوتوں کو شکست دینے کا عزم کر چکے ہوں چنانچہ علامہ موصوف نے ان تمام مسلمانوں کی اور مسلمان بادشاہوں کی سختی سے مخالفت کی جو اس کسوٹی پر پورے نہ اُترے اور جنہوں نے اپنے ملک کے عوام کے خلاف مغرب کے سامراجیوں سے ناتہ جوڑا مسلمان بادشاہوں اور امرائے دربار میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی۔ جو علامہ مرحوم کے خون کے پیاسے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۷۱ء میں جب علامہ موصوف نے مصر و قسطنطنیہ کی سیاسی زندگی میں قدم رکھا اور اور حق کے نام پر باطل کی تجارت کرنے والے مسلمان عالموں اور بادشاہوں کے خلاف آواز اٹھائی تو خلافت عثمانیہ کے شیخ الاسلام نے موصوف کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کر دیا اور انہیں قسطنطنیہ سے نکل جانے پر مجبور کیا۔

ایرانی سیاسیات میں علامہ جمال الدین نے سنہ ۱۸۸۶ء سے سنہ ۱۸۹۰ء تک صرف چار سال براہ راست حصہ لیا۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں ناصر الدین شاہ قاچار کے حکم سے آپ کو گرفتار کر کے حکومت ترکی کے حوالے کر دیا گیا۔ مگر آپ فرار ہو کر لندن جا پہنچے اور وہاں عرصہ تک اپنے دوست مالکم خان کے ساتھ اخبار قانون کی ادارت کرتے رہے۔ اسی دوران میں خلیفہ عبدالحمید نے آپ کو قسطنطنیہ آنے کی دعوت دی اور آتے ہی گرفتار کر کے نظر بند کر دیا۔

یوں تو ایران سے علامہ مرحوم کا براہ راست تعلق بہت کم دنوں رہا لیکن سچ پوچھو تو تحریک مشروطہ ایران کی اصلی روح رواں علامہ کی تعلیمات اور آپ کے اثرات تھے۔ آپ نے اخبار قانون کے ذریعہ لوگوں کو پہلے پہل یہ مشورہ دیا کہ اپنی شکایتیں دور کرانے کے لئے ایک مجلس ملی اور باقاعدہ قوانین وضع کرانے کا مطالبہ کریں۔ اور یہی وجہ تھی کہ وزیر اعظم امین السلطان نے ہر جگہ یہ منادی کرا

(ایران کے بادشاہوں سے آزادی سے بات کرنا خطا ہے۔ شاہ اور اس کے درباری اور شیخ غافل ہیں اور مملکت ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے۔ ایران کا خدا حافظ! استبداد کے دریا سے جانگداز موجیں اُٹھ رہی ہیں اور ملت کی کشتی بلاؤں کے منجدھار میں پھنسی ہوئی ہے۔ بادشاہ اپنے کو مسلمان کہتا ہے اور بے گناہوں کا خون بہاتا ہے۔ اے مسلمانو! تم نہیں کہتا کیا اسلام میں یہ ستم روا ہے؟)

چنانچہ ۱۸۹۶ء میں جب کسی نے ناصرالدین شاہ قاچار کو قتل کر دیا تو پورے ایران میں اس پر اظہار افسوس کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ ہر شخص نے اطمینان کا سانس لیا اور مشروطہ یعنی ایک جمہوری دستور حکومت کی خواہش جو ناصرالدین شاہ کے زمانے میں ہر ایرانی کے دل میں پرورش پا رہی تھی۔ ایک زبردست تحریک کی صورت میں نمودار ہو گئی۔

سید جمال الدین افغانی

اس تحریک کو جگانے اور بڑھانے اور اسے اس کے مقصد اور منصب سے آگاہ کرنے کا سہرا اس پیکر حریت کے سر ہے جس نے ہندستان سے لیکر مصر اور مراقش تک ہر ملک کی تاریخ پر اپنا غیر فانی نقش چھوڑا ہے۔ میری مراد سید جمال الدین افغانی سے ہے۔

سید جمال الدین مشرق وسطیٰ کے تمام اسلامی ملکوں کو اس خواب غفلت سے چونکانا چاہتے تھے جس میں وہ صدیوں سے مدہوش تھے۔ سید مرحوم نے اپنی دوربین نگاہوں سے یورپ کے سامراجی عفریت کو ایشیا کے لالہ زار کی طرف بڑھتے دیکھ لیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ آزادی کے اس دشمن کا سر کچلنے کے لئے مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک متحد ہو جائیں۔ یہی سامراج دشمن تحریک اتحاد اسلامی کے نام سے

جمہوری حقوق عطا کئے جائیں۔

تحریک مشروطۂ ایران کی ابتدا انیسویں صدی کے آخری دہ سالے میں ہوئی جبکہ ایران میں ناصرالدین شاہ قاچار نظم و نسق کے نام پر بدنظمی کر رہا تھا۔ وہ تعلیم و ترقی کا دشمن تھا اور کھلم کھلا کہا کرتا تھا کہ مجھے قابل آدمیوں کی ضرورت نہیں۔ مجھے ایسے آدمی چاہئیں جو یہ بھی نہ بتا سکیں کہ بروسلز کسی شہر کا نام ہے یا ولایت کے بینگن کا! ناصرالدین شاہ کے عہد میں ایران کی مصیبتوں کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ اس کی حیثیت اس ستم زدہ انسان کی تھی جسے ہر شخص چلتے چلتے ایک ٹھوکر لگا دیا کرتا ہے۔ ایران کو بادشاہ لوٹتا تھا اس کا وزیر لوٹتا تھا اور اس کا بیٹا نائب السلطنت اور اس کے دربار کے امرا اور جاگیردار لوٹتے تھے۔ ایران کے لوگ یہ دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتے تھے کہ بادشاہ اور اس کے درباری ایران کی دولت کو غیر ملکوں کی سیر و سیاحت میں اور وہاں داد عیش دینے میں دونوں ہاتھوں سے لٹا رہے ہیں اور مزید روپیہ حاصل کرنے کے لئے ایران کو غیر ملکیوں کے ہاتھ فروخت کرتے جا رہے ہیں۔

اس عہد کے مشہور شاعر مرزا اشرف گیلانی نے ایران کی اس زبوں حالی اور بےبسی و بےچارگی کا کتنا اچھا نقشہ کھینچا ہے کہ۔

با شہ ایراں ز آزادی سخن گفتن خطاست　　کار ایراں با خداست
شاہ مست و میر مست و شحنہ مست و شیخ مست　　مملکت رفتہ ز دست
ہر زماں از دست دشمن فتنہ و غوغا بپاست　　کار ایراں با خداست
ہر زماں دریائے استبداد آید پر فشار　　موجہائے جانگداز
زین تلاطم کشتی ملت بگرداب بلاست　　کار ایراں با خداست
[illegible]　　خون [illegible]
[illegible]　　کار ایراں با خداست

انقلابِ ایران

تحریکِ مشروطیت

سلطنت بہر شہاں باستم و ظلم نپاید　　جاں نثاری پئے اصلاح وطن باید و شاید
تاکہ ہمت نہ کُنی کس بر رخت در نکشاید　　مرد آں است کہ لب بندد و بازو بکشاید

(بادشاہوں کے ظلم و ستم سے سلطنتیں قائم نہیں رہتیں۔ وطن کی اصلاح کے لئے جاں نثاری کی ضرورت ہے۔ جب تک تو کمر ہمت نہ کسے گا کوئی تیرے لئے دروازہ بھی نہ کھولے گا مرد وہ ہے جو زبان بند رکھتا ہے اور ہاتھ پیر ہلاتا ہے۔)

گذشتہ باب میں میں نے لکھا ہے کہ انیسویں صدی کی تاریخ ایران کے زوال کی تاریخ ہے لیکن زوال اس تصویر کا صرف ایک رُخ ہے۔ انیسویں صدی نے پرانے، بوسیدہ اور قدامت پرست ایران کو سِسکتے، دَم توڑتے دیکھا تھا۔ مگر اسی انیسویں صدی کی آغوش میں ایک نیا جمہوری ایران بھی انگڑائیاں لینے لگا تھا۔

تحریکِ مشروطہ ایران اسی نئے جمہوری ایران کی آواز تھی جس نے اگر ایک طرف ایران میں زارِ روس اور انگریزوں کی دراندازیوں کی مخالفت کی تو دوسری طرف یہ بھی مطالبہ کیا کہ نفس پرست بادشاہوں کی مطلق العنانی کا خاتمہ کیا جائے اور عوام کو

مشروطہ کے معنی ہیں دستور۔

تجارت سے منافع کمایا تھا۔ مگر جب انگریزوں کا اثر بڑھا تو انہوں نے ان کو نکال باہر کیا۔

ایران کی بے بسی اور بیچارگی ۱۹۰۷ء میں انتہا کو پہنچ گئی۔ انگریزوں اور روسیوں نے آپس میں ایران کے حصے بخرے کر لئے۔ شمالی ایران روس کے حصہ میں آیا اور جنوبی انگریزوں کے۔ اور درمیان میں ایک مختصر سا علاقہ حدِ فاصل کے طور پر شاہ ایران کے پاس چھوڑ دیا گیا۔ ایک انگریز مصنف ایلول سٹن کے قول کے مطابق "یہ برطانوی سیاست کی فتح تھی" (جدید ایران از ایلول سٹن۔ صفحہ ۶۰)

انگریز اور روسی دونوں سامراجیوں نے آپس میں معاہدہ کیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے علاقے میں اپنا اثر قائم کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ لیکن اس کے باوجود ایک دوسرے کے خلاف ان کی سازشیں جاری رہیں۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء میں جب روسیوں کی مدد سے بادشاہ نے اپنی مطلق العنان فوجی حکومت کی تو اس کے جواب میں دوسرے ہی سال ۱۹۰۹ء میں انگریزوں نے جنوب کے بختیاری قبیلوں کو بھڑکایا اور انہوں نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی اور اسے مجبوراً تخت سے دست بردار ہو جانا پڑا۔ اس کی جگہ دوسرا بادشاہ تخت پہ بٹھا دیا گیا۔

ایرانی سیاست کا یہ اتار چڑھاؤ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم تک یونہی جاری رہا۔

ایران سے انگریزوں کی ایک اور غرض بھی وابستہ تھی۔ غدر ۱۸۵۷ء کے زمانے میں ہندستان اور انگلستان کے درمیان براہ راست تار برقی کا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔ ۱۸۵۷ء کے تجربے سے انگریزوں نے محسوس کیا کہ انگلستان سے ہندستان تک تار برقی کا سلسلہ قائم کرنا ضروری ہے تاکہ جلدی جلدی خبر بھیجی اور حاصل کی جا سکے۔ پہلے بحر قلزم سے بحری تاروں کا سلسلہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر اس میں ناکامی ہوئی اور انگریزوں نے شاہ ایران سے اجازت لیکر ایران کے ذریعہ تار برقی کا سلسلہ قائم کیا۔

لیکن اس کے برعکس انگریزوں نے عرصہ تک ایران میں ریلوے لائن نہیں بننے دی کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ اس طرح روسیوں کو اپنی فوجیں ہندستان کی سرحد تک لے آنے کا موقع ملے گا۔ ۱۹۲۷ء تک ایران میں صرف چار ریلوے لائنیں تھیں جو سب ملاکر دو سو میل سے زیادہ لمبی نہ تھیں۔ اور ان میں صرف تہران سے درگاہ شاہ عبدالعظیم تک پانچ میل اور اشت سے پیر بازار تک سات میل خالص ایرانی ریلوے تھی۔ باقی ریلیں دراصل ہندستان اور روس کی ریلوے لائنوں کے سلسلے تھے جو ایران کی سرحد میں بڑھ آئے تھے۔

انگریزوں نے ۱۸۸۹ء میں امپیریل بینک آف پرشیا قائم کیا۔

مختصر یہ کہ انیسویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے ایران، برطانیہ اور روس کے سامراجی نرغے میں گھر چکا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ ایران کے دسترخوان سے یورپ کی دوسری قوموں کو بھی کچھ حصے مل جایا کرتے تھے۔ چنانچہ کسی زمانہ میں شاہان ایران نے فوجوں کی تربیت کا کام اطالویوں کے سپرد کر دیا تھا۔ ۱۸۹۸ء میں درآمد اور برآمد کے مال پر چنگی وصول کرنے کا کام بلجیم والوں کو دیا گیا۔ ابتدا میں کچھ دنوں تک پرتگالیوں اور فرانسیسیوں نے بھی خلیج فارس کے شہروں کی

اکثر قوموں کو غلام بنا لیا تھا اور ان کی سلطنت کی سرحدیں شمال میں ایران سے آ ملی تھیں۔ ایران کی بیرونی تجارت روسیوں کے ہاتھ میں تھی۔ ایران کے مالیات اور معاشی زندگی پر انہیں کا قبضہ تھا ایران کے رجعت پرستوں سے ان کا سازباز تھا۔ اور بادشاہ اور دربار پر بھی وہ حاوی تھے۔

انیسویں صدی کے آخر تک ایران میں بڑے پیمانے پر تیل دریافت نہیں ہوا تھا جنوبی ایران میں خلیج فارس کے ساحلی شہروں پر بندر عباس یا بوشہر میں انگریزوں کے چھوٹے موٹے کارخانے تھے مگر اس وقت تک انگریزوں کی نظر میں ایران کا اصلی کام یہ تھا کہ ہندستان کی سرحدوں پر کھڑا اس غلام آباد کی رکھوالی کرے اور اس کو انگریزوں کے دشمنوں کے اثرات سے بچائے۔ چنانچہ ۱۸۰۰ء میں کپتان میلکم کی سرکردگی میں انگریزوں کا پہلا مشن تہران پہنچا اور اس نے شاہ ایران سے ایک تجارتی اور سیاسی معاہدہ کیا جس کی رو سے "شاہ ایران نے وعدہ کیا کہ وہ امیر افغانستان سے اس وقت تک صلح نہیں کرے گا جب تک وہ ہندستان کے برطانوی مقبوضات پر حملہ کرنے کے ارادے ترک نہ کر دے ... تجارت کے بارے میں یہ طے ہوا کہ انگریز اور ہندستانی سوداگروں کو بلا کسی ٹیکس کی ادائیگی کے بندرگاہوں میں بسنے کی اجازت دی جائے اور انگریزی کپڑے، لوہے، فولاد اور جست کی درآمد پر چنگی کا محصول نہ لگایا جائے۔"

(تاریخ ایران از سر پرسی سائکس صفحہ ۳۰۱)

ہندستان کو محفوظ رکھنے کے لئے انگریز ایران پر بھی اپنا اثر قائم کرنا چاہتے تھے چنانچہ صرف اسی غرض سے انہوں نے بلوچستان کے ریگستانی خطہ کو اور وہاں کے سرکش قبیلوں کو اپنی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اس طرح بلوچستان سے ہو کر انگریز ایران کی سرحد پر جا پہنچے۔

شکار رہا۔ پھر صاحبقران تیمور نے ایران پر اپنا جھنڈا لہرایا اور تیمور کے جانشینوں کی سرپرستی میں ایرانی علم و ادب نے بڑی ترقی کی۔

تیموریوں کے زوال پر ایران میں قومیت کا زور رہا اور سولہویں صدی میں صفوی خاندان برسرِ اقتدار آیا۔ صفوی خاندان ہندستان کے مغلوں کا ہم عصر تھا۔ اس خاندان کا بانی اسماعیل اور بابر ہم عصر تھے۔ اور ہمایوں جب ہندستان سے بھاگ کر ایران پہنچا تو اسماعیل کے پوتے طہماسپ نے اسے پناہ دی تھی سلاطین ترکی اپنے جھنڈے تلے تمام مسلمانوں کو متحد کرنا چاہتے تھے مگر ایران نے صفوی خاندان کی رہنمائی میں ہمیشہ اپنی انفرادیت قائم رکھی، اور ترکوں کے سامنے کبھی سر نہیں جھکایا۔ صفوی خاندان کا سب سے مشہور بادشاہ عباس، اکبر کا ہم عصر تھا۔ اس کے عہد میں ایران کے علوم و فنون اور ادب نے بڑی ترقی کی صفویوں کے عہد میں ایران کا دارالسلطنت اصفہان تھا۔

صفویوں کے بعد ایران میں پھر طوائف الملوکی کا دور آیا کچھ دنوں تک نادر خاں نے ایران پر حکومت کی اور ہندستان سے وسط ایشیا تک بیشتر ملکوں کو تاراج کیا۔ ۱۷۴۷ء میں اس کے قتل ہو جانے کے بعد کچھ عرصہ تک ایران پھر بدنظمی کا شکار رہا۔ لیکن ۱۷۹۴ء میں شمال سے ایک ترک قبیلے قاچار نے ایران فتح کیا اور تہران میں اپنا دارالحکومت قائم کیا۔

قاچاریوں کی تاریخ ایران کے زوال کی داستان ہے۔ انہیں کے عہد میں ایران پر انگریزوں اور روسیوں کا اثر قائم ہوا اور دونوں ایران کو اپنے حلقہ اثر میں شامل کرنے کے لئے رسہ کشی کرنے لگے۔

۱۹۱۷ء کے انقلاب سے پہلے کا روس دنیا کے بدترین سامراجی ملکوں میں تھا۔ روس کے شہنشاہوں کی ہوسِ ملک گیری نے رفتہ رفتہ وسطی ایشیا کی

ایران پر اس بُری طرح چھا ہوا ہے کہ بیٹنے کا نام نہیں لیتا۔ جنوبی ایران کے تیل کے چشموں پر انگریزی حکومت کا قبضہ ہے۔

مغرب کا بھیانک سایہ

شد از ستم دو تاں ملکِ جم و کیے ویراں
بیغولہ چداں ہیں ایران فلک سارا
شد شیر کیاں پنہاں جولان شگال آمد
خواری ز عقب آمد کرد و فر دارا را

(پور داؤد)

(اہرمن کے ستم سے جمشید و کیکاؤس کا ملک ویران ہوا۔ ایران جو فلک کا ہمسر تھا آج گیدڑوں کا مسکن ہے۔ کیانی شیر چھپ گیا ہے۔ یہ گیدڑوں کے باہر آنے کے دن ہیں۔ ذلت و خواری نے دارا کی شان و شوکت کی جگہ لے لی ہے)

انیسویں صدی میں ایران کی تاریخ ایران کے زوال کی تاریخ ہے۔
انیسویں صدی کی ابتدا ہی سے ایران پر انگریزوں اور زار روس کی للچائی ہوئی نگاہیں پڑنے لگی تھیں۔

ایک زمانہ تھا جب کیانی اور ساسانی بادشاہوں نے روم کی سرحد تک ایران کے نام کا ڈنکا بجوا دیا تھا لیکن پیغمبر اسلام کی رحلت کے دس برس کے اندر اندر عربوں نے سارا ایران فتح کر لیا اور عرصہ تک یہ ملک خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس کی عملداری میں رہا۔ کبھی اس ملک پر محمود غزنوی نے حکومت کی اور کبھی سلجوقی ترکوں نے خوارزم شاہ کے زمانے میں چنگیز خاں کی ٹڈی دل فوجیں ایشیا سے یورپ تک چھا گئیں۔ ایران بھی ان کی زد میں آیا۔ اور اس طوائف الملوکی کا

ہیں جن کے بارے میں ایران کے مشہور شاعر مرزا اشرف الدین گیلانی نے لکھا تھا کہ

باہمہ خلق منم خصم و ضد — می نشوم با احدی متحد
(میں خلق خدا کا دشمن ہوں۔ میں کسی سے متحد نہیں ہوتا)
مستبدم، مستبدم، مستبد — ہیچ بشروط تو دعوت مکن
(میں رجعت پسند ہوں رجعت پسند! تو مجھے جمہوریت کی طرف نہ بلا!)
میخورم از خون رعیت شراب — میکنم از گوشت رعیت کباب
(میں لوگوں کے خون کی شراب پیتا ہوں اور ان کے گوشت کے کباب کھاتا ہوں)
ہیچ نترسم ز عذاب و عتاب — وعدہ لفرولے قیامت مکن
(مجھے عذاب و عتاب کا ڈر نہیں۔ تو مجھے قیامت کی دھمکیاں نہ دے!)

راسٹر کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ "انہیں دو ہزار گھرانوں کو ایران کی مجلس ملی یا پارلیمنٹ سمجھ لیجئے۔ انہیں کو ایران کا کابینہ وزارت کہہ لیجئے۔ ایران کی ساری دولت انہیں کی ہے۔ فوج کے افسر یہی لوگ ہیں۔ ان کے معاشرتی اور سیاسی تعلقات انگریزوں سے ہیں ۱۹۴۲ء میں جرمنوں کے چلے جانے پر انگریزوں کا ان پر بڑا اثر قائم ہو گیا ہے۔" (راسٹر مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۵ء)

ایران کے لوگ زیادہ تر کھیتی باڑی یا گلہ بانی کرتے ہیں، لیکن ستر فی صدی زمین پر ان دو ہزار گھرانوں کا قبضہ ہے۔ صرف چار فیصدی زمین خوش حال کسانوں کی ملکیت ہے۔ دس فی صدی مذہبی اوقاف میں شامل ہے۔ دو تہائی سے زیادہ کسانوں کے پاس اپنی زمین نہیں۔ ہندستان کی طرح ایران کے کسان بھی بہت پچھڑے ہوئے ہیں اور ناداری اور افلاس کا شکار ہیں۔

دوسری طرف انگریز سامراجیوں کا منحوس قدم ہے جو پچھلے پچاس برس سے

صوبہ خشک غیر زرخیز اور غیر آباد ہے۔ اور شاید شیراز کے سوا دنیا کی تمام نعمتوں سے محروم ہے۔

یہ ہے ایران کا مختصر سا نقشہ۔

ایران کا رقبہ چھ لاکھ تیس ہزار مربع میل ہے۔ اور آبادی ایک کروڑ پچاس لاکھ ان میں کوئی پندرہ لاکھ بڑے شہروں میں بسے ہوئے ہیں۔ تقریباً بیس لاکھ ابھی تک نیم خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ بقیہ لوگ قصبوں اور گاؤں میں رہتے ہیں۔ ساحل کیسپین پر مازندران اور گیلان اور پھر آذربائیجان کی آبادی بہت گنجان ہے ایرانی دراصل صرف وسطی ایران میں، شمال میں کیسپین کے ساحلی صوبوں میں، اور جنوب میں فارس و کرمان میں آباد ہیں۔ پورے ایران کی آبادی میں ان کا تناسب پچاس فی صدی سے زیادہ نہیں۔ ترکی منگولی نسل کے لوگ جو آذربائیجان میں آباد ہیں پچیس فی صدی ہیں۔ کرد دس فیصدی ہیں۔ ان کی تعداد آٹھ لاکھ ہے، عرب پانچ فی صدی ہیں۔ آرمینیوں کی تعداد تقریباً پچاس ہزار ہے۔ ان کے علاوہ پچیس ہزار اشوروی ہیں۔ کچھ یہودی بھی ہیں مگر آرمینی، اشوروی، یہودی سب ملا کر دس فی صدی سے زیادہ نہیں۔

یہی سب وہ دھارے ہیں جن سے مل کر ایران کا ماضی اور حال بنا ہے۔ انہیں نے ہزاروں برسوں سے ایران کے ویرانے کو آباد کیا اور ایران کے دشت و صحرا کو سرسبزی و شادابی عطا کی۔ ایران کی عظمتوں میں ان سب کا حصہ ہے۔

لیکن ان کا ایران آج ایک پسماندہ ملک ہے۔ لوگ افلاس زدہ اور ان پڑھ ہیں۔ ایران کے دیہات غریبی، مصیبت اور گندگی اور جہالت کا مرقع ہیں اور ایران کے شہر بھی اس سے کچھ بہتر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایرانیوں کی زندگی پر دو بڑی مصیبتیں چھائی ہوئی ہیں۔ ایک طرف ایران کے دو ہزار دولتمند زمیندار گھرانے

ایرانی کردستان کے جنوب میں دریائے آب دیز کی وادی ہے اور اس کے بعد کے پہاڑوں کی بلندی پانچ چھ ہزار فٹ سے زیادہ نہیں۔ لیکن کچھ آگے لورستان کے کوہِ زرد کی برفانی چوٹیاں ہیں جن کی اونچائی گیارہ اور چودہ ہزار فٹ تک جا پہنچی ہے۔ اکثر قبیلے انہیں پہاڑوں کے دامن میں سخت کوشی اور افلاس کی زندگی بسر کرتے ہیں اور آزادی کے گیت گاتے ہیں۔

آب دیز آگے چل کر دریائے قارون میں جا ملا ہے۔ پورے ایران میں یہی ایک دریا ہے جس میں جہاز رانی ہو سکتی ہے۔ قارون کے مشرق میں بختیاری پہاڑوں کا سلسلہ ہے جہاں بختیاری قبیلے آباد ہیں۔ اور مسجد سلیمانیہ کے پاس اینگلو ایرانی کمپنی کے تیل کے چشمے ہیں۔

ایران کا جنوب مغربی حصہ ایک مثلث ہے جس کی ایک طرف یہ پہاڑ ہیں دوسری طرف عراق کی وادیاں اور تیسری طرف خلیج فارس ہے۔ دریائے قارون اسی علاقے سے ہوکر بہتا ہے اور دریائے فرات میں جا گرتا ہے۔ کسی زمانہ میں یہ علاقہ جس میں بختیاریوں کا پہاڑی وطن اور فارس کا صوبہ بھی شامل ہے، بڑی بڑی سلطنتوں کا مرکز تھا۔ مگر اب صرف چند کھنڈر ان کی یاد دلاتے رہتے ہیں۔ اس مثلث نما کے باشندے زیادہ تر عربوں کی اولاد ہیں۔ اسی لئے اس علاقے کو عربستان کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ بہت غریب ہیں اور کھیتی باڑی کر کے گذارا کرتے ہیں۔ پہاڑوں میں تیل کے چشموں کی دریافت اور ایران میں تیل صاف کرنے کا کارخانہ قائم ہو جانے سے اس علاقے کو پھر بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔

جنوبی ایران کے ٹھیک وسط میں فارس اور اس کے مشرق میں کرمان کا صوبہ ہے۔ ان صوبوں کے نیچے نہایت تنگ میدان خلیج فارس کے کنارے کنارے ایرانی بلوچستان تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ ساحلی علاقہ گرم سیر کہلاتا ہے۔ فارس کا

ایران کی مغربی سرحد پر شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا ہے۔ قدیم ایرانی اسے زاغورس کہا کرتے تھے۔ اس کے مغرب میں شمال میں ترکی ہے اور جنوب میں عراق اور دجلہ و فرات کی وادیاں۔

زاغورس کے مشرقی نشیب کا علاقہ ایک سطح مرتفع کی صورت میں افغانستان تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ حصہ جو آذربائیجان کے نزدیک پہاڑوں سے ملا ہوا ہے زرخیز ہے۔ ایران کے اکثر مشہور شہر اسی علاقہ میں آباد ہیں۔ ایران کا موجودہ پایہ تخت تہران اسی میدانی علاقہ میں شمال کی جانب واقع ہے جہاں زاغورس اور البرز کے پہاڑ ملتے ہیں۔

لیکن تھوڑی ہی دور آگے چل کر یہ میدان لق و دق صحرا میں بدل گیا ہے۔ دشت کویر اور دشت لوط نے ایران کے قلب کو اس طرح چیر کر رکھ دیا ہے، شمال کو جنوب سے اور مغرب کو مشرق سے اس طرح الگ کر دیا ہے کہ اونچے اونچے پہاڑ اور بڑے سے بڑے دریا بھی نہ کر سکتے تھے۔ اس ریگستان نے ایران کے لوگوں کے عادات و اطوار ان کے طرز فکر اور ان کی جسمانی ساخت سب پر اپنا نقش چھوڑا ہے۔ ایران کے اکثر شہر اس ریگستان کے آس پاس بسے ہوئے ہیں۔ تہران اور مشہد شمال میں، قم اور کاشان مغرب میں، یزد اور کرمان جنوب میں اور قائن اور بیرجند مشرق میں۔ اسی لئے کسی مصنف نے لکھا ہے کہ یہ ریگستان گویا سرزمین فارس کے لئے جان و دل ہے۔

آذربائیجان کے جنوب میں کردستان کا علاقہ ہے جس کا بڑا حصہ ایران سے باہر ترکی اور عراق کی سمت ہے۔ کرد قبیلے نہایت جری اور سرکش ہیں۔ اور اپنی کھوئی ہوئی آزادی واپس لینے کے لئے برابر بغاوت کا علم بلند کرتے رہتے ہیں۔ کردوں کی زبان اور مذہبی عقیدے بھی ایرانیوں سے مختلف ہیں۔

اور یہی اس کا صحیح نام ہے۔

شمال مشرق میں خراسان کا صوبہ ہے جس کی سرحدی بلندیاں ترکستان کے میدانوں میں سوویٹ جمہوری نظام کی ترقی کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھتی ہیں۔ اس صوبے میں قوچان، بجنورد اور گرگان کے اضلاع زرخیزی اور شادابی میں مشہور ہیں۔ بارش کافی ہوتی ہے۔ مگر آبادی بہت کم ہے۔ ترکمان قبیلوں کے چند ہزار گھرانے نیم خانہ بدوشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ قوچان اور بجنورد میں کچھ کردی قبیلے ہیں جنہیں کئی سو برس ہوئے شاہ عباس نے ان کے وطن کردستان سے خانہ بدر کر کے یہاں لا بسایا تھا۔

بحر کیسپئن کے کنارے مازندران، استرآباد اور گیلان کے صوبے ہیں اور اسی مناسبت سے اہل ایران اس سمندر کو بحر گیلان بھی کہتے ہیں۔ ان صوبوں کی آب و ہوا معتدل ہے۔ بارش خوب ہوتی ہے اور اسی لئے کوہ البرز کی چوٹیوں پر جوان صوبوں کے جنوب میں سمندر کے متوازی پھیلے ہوئے ہیں بڑے گھنے جنگل پائے جاتے ہیں۔ شمال کے ان پہاڑوں کا سلسلہ پامیر سے جا ملا ہے۔ جسے ایران والوں نے بڑا خوبصورت نام عطا کیا ہے ـــــــ بامِ دنیا

گیلان کے مغرب میں ایران کی سرحد پھر سوویٹ یونین سے جا ملی ہے۔ ایرانی آذربائیجان کے شمال میں سوویٹ جمہوریہ آذربائیجان ہے۔ یہ دونوں علاقے پرانے زمانے میں ایک ہی ملک میں شامل تھے۔ آذربائیجان ایران کے سب سے زرخیز علاقوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ آذربائیجان کے لوگوں کا رہن سہن ان کی زبان اور ان کے مذہبی عقائد عام ایرانیوں سے بالکل مختلف ہیں۔ آذربائیجان کے لوگ سُنّی ہیں اور ان کی مادری زبان فارسی نہیں ترکی ہے۔

یہاں سے پہاڑوں کا ایک سلسلہ جو کہیں کہیں بارہ تیرہ ہزار فٹ اونچا ہے

ایران اور ایرانی

ہمیشہ مالک این ملک ملت است کہ داد | سند بہ دست فریدون قباد و ست قباد
مگوئی کشورجم، جم چکارہ بود چہ کرد | مگوئی ملک کیان، کے گرفت و کے بکہ داد
کنون کہ می رسد از دور رایت جمہور | بہ زیر سایۂ آں زندگی مبارکباد

عارف قزوینی

(اس ملک کی مالک قوم ہے اسی نے فریدوں اور قباد کو حکمرانی عطا کی
اسے بادشاہوں کا ملک نہ کہو - انہوں نے اسے کیا دیا ہے ؟
اب جمہور کا جھنڈا لہرانے لگا ہے - اس کے سائے میں زندگی مبارک ہو)

دریائے سندھ اور دجلہ کی وادیوں کے درمیان ایک تاریخی خطہ پھیلا ہوا ہے جو صدیوں تک انسانی تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے ۔کسی زمانے میں ہمالہ سے ایشیائے کوچک کے پہاڑوں تک اور کوہ قفقاز سے خلیج فارس تک کا یہ پورا وسیع علاقہ ایران کے نام سے مشہور تھا ۔ مگر اب اس سطح مرتفع کا صرف تین چوتھائی مغربی حصہ ایران کہلاتا ہے ۔ مشرقی حصہ میں شمال میں افغانستان اور جنوب میں بلوچستان ہے جو ہندستان کا ایک صوبہ ہے ۔

ایران کا جنوب مشرقی علاقہ طبعی اعتبار سے بلوچستان ہی کا سلسلہ ہے ۔ اسی کی طرح بنجر اور خشک ہے ۔ کہیں کوئی قابل ذکر شہر نہیں ۔ اور آبادی لے دے کے چند بلوچی قبیلوں پر مشتمل ہے ۔ چنانچہ اسے ایرانی بلوچستان بھی کہا جاتا ہے ۔

ایران، ہر جگہ اس کی لہریں اُٹھ رہی ہیں۔

اس کتاب میں ایرانی زندگی کی اسی جد وجہد کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے۔ ہمارے ہم وطنوں میں اس کے ذریعہ اگر یہ احساس پیدا ہو سکے کہ ہندوستان اور ایران دونوں کی تحریک آزادی کا دشمن انگریز ہے، دونوں کی جد وجہد، دونوں کا راستہ اور دونوں کی منزل ایک ہے تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔

بمبئی
یکم مئی سنہ ۱۹۴۶ء

علی اشرف

اور ترکی جب ہر طرف سے دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا تھا تو جہازوں میں بھر بھر کر سامان جنگ روانہ کیا اور اُن کے فوجی افسروں نے ترکی پہنچ کر سپاہیوں کی تربیت کی۔

آج بھی وہ سوویت یونین ہی ہے جس نے اقوام متحدہ کے ایوانوں میں غلام قوموں کی حمایت میں آواز اٹھائی اور ہندستان اور انڈونیشیا، یونان اور شام اور فلسطین اور مصر کی آزادی کا مطالبہ کیا۔ برطانیہ اور امریکہ کے سامراجیوں کو معلوم ہے کہ آزادی اور جمہوریت کا یہ طوفان اگر روکا نہ گیا تو کوئی دم میں اُن کی بساطِ سلطنت کو اُلٹ کر رکھ دے گا۔ آنے والی تباہی سے بچنے کے لئے وہ طرح طرح کے داؤ پیچ آزما رہے ہیں۔ چرچل کی زبان سے کبھی وہ سوویت یونین کو جنگ کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ امریکہ والے دنیا کے قحط زدہ انسانوں کو اپنے اناج کے ذخیرے دکھا کر کہتے ہیں کہ تم آزادی اور جمہوریت کی ہٹ چھوڑ دو۔ تو ہم تمہیں بھوک سے نہ مرنے دیں گے۔ انگریزوں نے ہر ملک میں اپنے گماشتے چھوڑ رکھے ہیں جو اپنے ذاتی اغراض کی خاطر عوام کی تحریک آزادی کی مخالفت کرتے ہیں۔ مصر میں انہوں نے وفد پارٹی کو اختیارات سے محروم کر کے صدقی پاشا کو وزارت سونپ دی ہے جو مصر کے طالب علموں اور مزدوروں کے ہر جلوس اور مظاہرے پر گولیاں برساتا ہے۔ عراق میں نوری السعید ان کا حق نمک ادا کر رہا ہے۔ ایران میں وہ اپنے دیرینہ نیازمند سید ضیاء الدین طباطبائی سے جمہوری تحریک کی مخالفت کا کام لے رہے ہیں۔

انگریز اور امریکہ غرضکہ شہنشاہیت کی گرتی ہوئی دیواروں کو بچانے کی دیوانہ وار کوششیں کر رہے ہیں۔ مگر لاکھوں کروڑوں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ان تمام لوسیدہ گیروں کو بہا لے جائے گا۔ ہندستان اور

سارے مشرقی یورپ کے لوگوں نے اپنے اپنے ملکوں میں زمینداری اور جاگیرداری نظام کو مٹا ڈالا۔ اور زمین کسانوں نے آپس میں تقسیم کر لی اور اب انقلاب کی لہریں یورپ سے ہو کر افریقہ اور ایشیا کے ساحلوں تک جا پہنچی ہیں۔ مصر اور ہندستان میں سلطنت برطانیہ کی بنیادیں ہل رہی ہیں۔ جاوا اور سماترا اور ہند چینی میں سامراجی حکومتوں کے خلاف بغاوت اور انقلاب کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں۔ اور ایران، عراق اور شام وغیرہ جو برسوں سے گہری نیند سو رہے تھے۔ اب آزادی کی کروٹیں لینے لگے ہیں۔ اور سوویت یونین کی موجودگی ان کے حوصلے بڑھا رہی ہے۔

روس کے انقلابیوں نے اپنی مثال سے ہمیشہ ہر ملک کے آزادی کے مجاہدوں کی ہمت بڑھائی ہے۔ ۱۹۰۵ء میں روس میں انقلاب ناکام ہوا تھا۔ مگر روسی مزدوروں اور کسانوں کے خون کی سرخی نے سارے افق کو لالہ زار کر دیا اور انقلاب کی وہ آواز جو پیٹرزبرگ (موجودہ لینن گراڈ) کی سڑکوں سے اٹھی تھی تہران اور قسطنطنیہ کے ایوانوں میں بھی گونجی اور ۱۹۰۶ء میں مشروطیوں نے ایران میں اور ۱۹۰۸ء میں نوجوان ترکوں نے عثمانیوں کی سلطنت میں ایک نئے انقلاب کا دروازہ کھول دیا۔

اور جب ۱۹۱۷ء میں روس کے مزدوروں اور کسانوں کی انقلابی جدوجہد کامیاب ہوئی تو مشرق کے غلاموں کی دنیا میں بھی بھونچال آیا۔ ترکی اور ایران اور افغانستان نے آزادی کی طرف ایک قدم اور بڑھایا۔

گزشتہ جنگ عظیم کے بعد وہ لینن اور استالین ہی کا روس تھا جس نے واشنگٹن کانفرنس کے ٹھکرائے ہوئے ایران کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا[1]

---

[1] ملاحظہ ہو ۱۹۲۱ء کا سوویت ایرانی معاہدہ

میں علی برادران ہندستانی مسلمانوں کی تحریک آزادی کے ناخدا تھے اور انہوں نے انگریزوں کے خلاف ایران میں سرخ فوج کی آمد کا خیر مقدم کیا تھا چنانچہ اخبار خلافت نے لکھا تھا کہ

"انزلی پر بالشویکوں کا قبضہ کوئی فعل معاندانہ نہیں۔ بلکہ ایران اور بالشویکوں کے خوشگوار تعلقات پتہ دیتے ہیں کہ وہ بالشویکوں کو مدد کے لئے بلا رہا ہے۔ جمعیتہ اقوام کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ ایران کے مسائل میں مداخلت کرے کیونکہ ایران کو بالشویکوں کا کوئی خطرہ نہیں۔ پرنس فیروز وزیر خارجہ ایران کی جمعیتہ اقوام سے یہ خواہش کہ انگلستان کو ایران میں مداخلت کی اجازت دی جائے اور بالشویکوں کو ایران میں داخل ہونے سے روکا جائے بالکل انگریزوں کی مکاری کا نتیجہ ہے تاکہ انگلستان کا سایہ حکومت ایران پر بھی دراز ہو جائے۔"

(ملاحظہ ہو خلافت - ۱۶ر جولائی سنہ ۱۹۲۰ء)

خلافت کی یہ تحریر بہتوں کے لئے درس عبرت کا کام دے گی اور وہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ آج ہمارے جذبۂ آزادی کو کیا ہوا کہ ہم محمد علی اور شوکت علی کے راستے سے اس قدر بھٹک گئے کہ اسلامی ملکوں پر اپنے سب سے بڑے دشمن انگریزوں کے قبضے کی حمایت کرنے لگے۔ ہماری تحریک آزادی میں اور ہمارے آزادی کے تصور میں وہ کونسی خرابی پیدا ہو گئی کہ اسلامی ملکوں کی تحریک آزادی سے ہمارا ناتہ ٹوٹ گیا؟

جنگ کے ختم ہوتے ہوتے ہر ملک کے عوام اٹھ کھڑے ہوئے اور دنیا کے ہر حصے میں جمہوری تحریک کا ایک سیلاب ہے جو تمام سامراجی طاقتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہالئے لئے جا رہا ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے کتنے بادشاہوں کے تاج و تخت چھینے گئے۔ یوگوسلاویہ، بلغاریہ، رومانیہ اور پولینڈ غرضیکہ

انگریزوں کی پانچ لاکھ فوجیں آج سارے مشرق وسطیٰ پر چھائی ہوئی ہیں۔ مصر میں ان کی فوجیں ہیں، فلسطین اور عراق اور شرق اردن میں ان کی فوجیں ہیں اور ایران سے گو کہ ان کی فوجیں ہٹ آئی ہیں مگر ان کے افسر موجود ہیں اور وہ اپنے وظیفہ خوار قبیلوں کی فوجی تربیت کر رہے ہیں اور اپنا جنگی ساز و سامان وہاں پہنچا رہے ہیں۔ اور جب کوئی شخص مشرق وسطیٰ پر انگریزی قبضہ کے بارے میں کچھ نہ کہے، وہاں انگریزوں کی عظیم الشان فوجوں کی موجودگی کے بارے میں زبان سے ایک لفظ نہ نکالے اور دنیا کو "روس کے آنے والے خطرے" سے آگاہ کرتا رہے اور یہ بتاتا رہے کہ "موجودہ زمانے میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن روس ہے" (تنویر لکھنؤ۔ ۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء) تو اس سے یہی گمان ہوتا ہے کہ انگریزوں کے گناہوں کی پردہ پوشی کرنے کے لئے روس کا یہ ہوّا کھڑا کیا جا رہا ہے۔

ان لوگوں کو میں یاد دلاؤں گا کہ آج سے پورے چھبیس برس پہلے ۱۹۲۰ء میں بھی بعینہٖ یہی صورت حال پیدا ہوئی تھی۔ اس وقت بھی انگریزی فوجوں نے جنگ کے خاتمہ کے بعد ایران پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اس وقت بھی انہیں ایران سے نکالنے کے لئے بالشویکوں کے سرخ سپاہی ایران میں داخل ہوئے تھے۔ اس وقت بھی انگریزوں کے ایرانی گماشتوں نے سرخ فوج کی آمد کے خلاف جمعیتہ اقوام سے شکایت کی تھی۔ مگر ایران کے عوام نے سوویت فوجوں کا خیر مقدم کیا تھا۔ غرضیکہ صورت حال بالکل وہی تھی جو آج ہے۔ فرق صرف ایک تھا۔

فرق یہ تھا کہ آج ہندوستانی مسلمانوں کے بعض لیڈر اور اخبارات انگریزوں کی حمایت میں آواز ملا کر سوویت روس کی مخالفت کر رہے ہیں مگر ۱۹۲۰ء

نے رپورٹ کے جھوٹ پر بھی حاشیہ چڑھایا تھا۔ اب تک اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کیا اور اس سے تائب نہیں ہوئے۔"

(مقالات مولانا محمد علی مرتبہ رئیس احمد جعفری حصہ اول صفحہ ۲۴۵)

لیکن مولانا محمد علی آج ہم میں ہوتے تو دیکھتے کہ ان "پیشواؤں" نے صرف یہی نہیں کہ اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کیا' ان کا گناہ صرف یہی نہیں کہ انہوں نے ایک اسلامی ملک کی جمہوری تحریک کو بدنام کیا اور وہاں کے عوام پر جھوٹا الزام لگایا۔ شرم کی بات یہ ہے کہ انہوں نے ایرانی عوام کو خاک و خون میں تڑپانے اور ان کی تحریک آزادی کو کچلنے کے لئے انگریز سامراجیوں کو اشتعال دلایا کہ" اس شورش کا مقصد انگریزی مفاد کو نقصان پہنچانا ہے۔ آزادی پسند حلقے حیران ہیں کہ پھر برطانیہ خاموش کیوں ہے؟ ہمیں افسوس ہے کہ برطانیہ جان بوجھ کر نادان بنا ہوا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انگریز خواہ کتنے ہی طاقتور ہوں لیکن روغنی چشمے سر پر اٹھا کر لندن نہیں لا سکتے! ان پر روسی ایرانیوں کا ہی تسلط ہوگا۔ انگریزوں کو مشرقی ممالک سے بوریا بستر اٹھا کر لندن کی راہ لینی پڑے گی یا وہی کچھ کرنا پڑے گا جو خرابی بسیار کے بعد نادان کی دانائی کہا جاتا ہے۔"

(زمیندار ۲۴ر نومبر ۱۹۴۵ء)

یعنی اس اخبار کو افسوس ہے کہ مشرقی ممالک سے انگریزوں کو بوریا بستر اٹھا کر لندن کی راہ لینی پڑے گی اور روغنی چشمے ان کے ہاتھ سے نکل جائینگے اس کی خواہش ہے کہ انگریز ہرگز ایران سے نہ جائیں اور اگر ایران کے عوام انہیں نکلنے پر مجبور کریں تو وہ "خاموش" نہ رہیں اور خرابی بسیار سے بچنے کے لئے جو کچھ ممکن ہو کریں۔ شاید اسلامی ملکوں کی اس سے بڑی دشمنی اور ان کے مفاد سے اس سے بڑی غداری کا تصور نہیں کیا جا سکتا!

رہے ہیں کہ "ایران میں بغاوت کی آگ روس نے بھڑکائی ہے۔" (زمیندار ۲۴ر نومبر ۱۹۴۵ء) اور شمالی ایران میں اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے وہ روس کے ایما پر ہو رہا ہے اس لئے یہ کسی طرح بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ایرانی خود حکومت میں کسی قسم کی تبدیلی چاہتے ہیں۔" (انصاری - دہلی)

گویا کہ ان اخباروں کے نزدیک ایران میں آزادی اور جمہوریت کی کوئی تحریک ہی نہیں اُٹھی تھی۔ ان بزرگوں نے یہ نہ سوچا کہ بالکل اسی طرح کی باتیں خود ان کے اور ان کی تحریک آزادی کے متعلق کہی جاتی ہیں۔ ہندستان میں اور اس کے باہر یہ کہنے والوں کی کمی نہیں کہ مسلم لیگ انگریزوں کی پروردہ ہے اور حق خود ارادیت کا مطالبہ انگریزوں کے اشارے پر کیا گیا ہے۔ وہ یہ بھول گئے کہ کسی جمہوری تحریک کو بدنام کرنا ہوتا ہے تو اس کے دشمن ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ وہ غیروں کی اٹھائی ہوئی ہے اور یہ حربہ خود ہندستان کے مسلمانوں کی تحریک آزادی کے خلاف بھی استعمال کیا جا چکا ہے۔ وہ یہ سب بھول گئے اور آج تک رائٹر کی طرح یہ رٹ لگائے جاتے ہیں کہ ایران کی حزب تودہ روس کی پروردہ ہے۔ رائٹر نے جھوٹی خبر چھاپی کہ روسی فوجیں تہران پر بڑھی آرہی ہیں تو انہوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا لیکن جب خود حکومت ایران نے اس خبر کی تردید کی تو انہوں نے تردید کا چھاپنا بھی ضروری نہ سمجھا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق مولانا محمد علی مرحوم نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ "رائٹر کے جس جھوٹے تار کی بنیاد پر کذب و افترا، اشتعال انگیزی اور فساد کی سربفلک عمارت تیار کی گئی تھی اس کے جھوٹے ہونے کے متعلق اب کسی ڈھیٹ سے ڈھیٹ کذاب و مفتری کو بھی بحث و مباحثہ کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ لیکن تعجب ہے کہ مسلمانوں کے ان مذہبی اور سیاسی پیشواؤں نے جنہوں

ہندستان کے آزادی پسندوں نے ایران اور دوسرے ہمسایہ ملکوں کی تحریک آزادی کا ہمیشہ خیر مقدم کیا اور ہمیشہ ان کی مدد کرتے رہے ہمارے بزرگ جانتے تھے کہ آزادی کی تحریک ساری دنیا میں ایک ہے اور سامراجی دست برد اور ملکی استبداد کے خلاف جہاں کہیں جو تلوار اُٹھے وہ ہماری آزادی کی تلوار ہے۔

لیکن آج ہمارے قومی لیڈر اور ہماری رائے عامہ کی رہنمائی کرنے والے اخبارات اس زریں اصول کو بھول چکے ہیں۔ ان کا آزادی کا وہ صحیح اور صالح تصور دھندلا ہو چکا ہے۔ ہماری روایات یہ ہیں کہ ہم نے ایران کے قاچاری بادشاہوں کے خلاف تحریکِ مشروطیت[1] کی حمایت کی اور سلاطین ترکی کے استبداد کے خلاف نوجوان ترکوں اور انور پاشا اور مصطفےٰ کمال کی کوششوں کو سراہا۔ لیکن آج جب ایران کے کونے کونے میں آزادی اور جمہوریت کا نعرہ گونج اٹھا ہے اور آذربائیجان کے لوگ اپنی خودمختاری کے حوصلے پورے کرتے ہیں اور اپنے صدیوں پرانے خواب کی تعبیر پاتے ہیں تو ہمارے لیڈر اور ہمارے اخبارات ان کی تحریک آزادی کو روسیوں کی سازش کہہ کر بدنام کرتے ہیں۔ انگریز اور ان کی خبر رساں ایجنسیاں اہل ایران کی تحریک آزادی کو بدنام کرنے کی کوشش کریں تو کوئی حیرت نہیں۔ کیونکہ غلاموں کا خون چوس کر زندہ رہنے والوں سے اور توقع ہی کیا کی جا سکتی ہے ؟ لیکن حیرت اور افسوس اس پر ہے کہ یہ کام ان صاحبوں نے کیا جو ہندستان اور ہندستانی مسلمانوں کی آزادی کے مجاہد کہے جاتے ہیں۔ ایرانی عوام کو جن سے ہمدردی اور مدد کی توقع ہو سکتی تھی وہی انگریزوں اور رائٹر کا یہ جھوٹ دہرا

---

[1] اس تحریک کا مفصل ذکر آگے آئے گا۔

حکمرانوں کی ملی بھگت کے باوجود دن دونی رات چوگنی رفتار سے ترقی کر رہی ہے اور آذربائیجان میں جہاں انیسویں صدی کے وسط میں ایران کے نشاۃ ثانیہ کی شمع جلائی گئی تھی اور جو پچھلے سو برس سے ایرانی علوم و فنون کا گہوارہ اور ایران کی تحریک آزادی کا مرکز رہا ہے، حزب دموکرات یعنی جمہوری پارٹی نے عوام کی چنی ہوئی حکومت قائم کر لی ہے۔ اور اب ایرانی کردستان کے عوام بھی انہیں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔[1]

---

[1] عام طور پر ہندستان کے مسلمان کردستان اور کرد قوم کے نام سے بھی واقف نہیں۔ کرد مشرق وسطیٰ کی ایک بہت پرانی جری اور جفاکش قوم ہے جس کی آزادی صدیوں سے زوندی جا رہی ہے۔ جنگ صلیب کا مجاہد اعظم صلاح الدین ایوبی اسی کرد قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ کردستان پر عرصہ تک ترکی اور ایران کا قبضہ تھا۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد سلطنت ترکی کا شیرازہ منتشر ہوا تو کردوں کا وطنی علاقہ ایران اور ترکی کے علاوہ عراق اور شام میں بھی بٹ گیا۔ کردستان اس وقت انہیں چار ملکوں میں بٹا ہوا ہے۔ سوویت یونین میں بھی کردوں کی ایک مختصر سی تعداد ہے۔ ایران میں کوئی پانچ لاکھ عراق میں سات لاکھ اور ترکی میں پندرہ لاکھ کرد آباد ہیں۔

ایران کے عوام نے جب آزادی کا جھنڈا بلند کیا اور آذربائیجان میں سچی جمہوریت کی داغ بیل پڑی، تو کردستان کی تحریک آزادی کو بھی تقویت ہوئی ہے اور اپریل ۱۹۴۶ء کی ابتدا میں یہ خبر آئی کہ ایرانی کردستان میں کردوں نے اپنی آزاد حکومت قائم کر لی ہے۔ اور اب اس کی رہنمائی میں تمام کرد اپنے وطنی علاقوں کی آزادی اور اتحاد کے لئے زیادہ منظم طریقے سے جدوجہد کر رہے ہیں۔

کا طوطی بول رہا تھا چین کے علوم و فنون کی شہرت تھی۔ لیکن یہ باتیں خواب ہو گئیں۔ اب تو صدیوں سے یہ قومیں اغیار کی دست برد اور آپس کی خود غرضی اور خانہ جنگی کا شکار رہیں۔ ایک مسلسل کرب میں مبتلا ہیں۔ مگر خوشی اس بات کی ہے کہ ان میں احساس زیاں پیدا ہو چکا ہے اور ان کا ضمیر بیدار ہو رہا ہے اور پو پھٹ رہی ہے۔

اس رسالے میں میں نے ایرانی قوم کے جہاد آزادی کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا ہے۔ یہ خاکہ نہیں بلکہ ایک مثلث ہے جو شہنشاہیت پسند طاقتوں کی دست برد، ایران کے حاکم طبقہ کی خود غرضی اور عوام کی جد و جہد سے مل کر بنتا ہے۔ اب تک اس مثلث کے دو زاویئے ——— بیرونی شہنشاہیت اور ملکی استبداد۔ تیسرے زاویئے پر حاوی تھے۔ لیکن صدیوں کا کچلا ہوا اور اپنوں اور بیگانوں کا ستایا ہوا ایرانی اب کروٹ لے رہا ہے۔ ایران کے ٹھہرے ہوئے پانی میں بھی اب روانی ہے اور ایران کی وادیاں آزادی، جمہوریت اور ترقی کے نعروں سے گونج رہی ہیں اور اس کی زندگی کا نقشہ بڑی تیزی سے بدل رہا ہے۔

ایران کے لوگ ایک بار پھر اپنا جمہوری حق حاصل کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کا مطالبہ ہے کہ حکومت کی مطلق العنانی ختم ہو اور اس کی جگہ عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کی حکومت بنائی جائے۔ ملک کے زرعی اور صنعتی قوانین میں ضروری اصلاح ہو، ملک کی تمام قومی دولت قوم کی بھلائی اور ترقی کے لئے استعمال کی جائے نہ کہ چند افراد کی ذات کے لئے۔ تقریر، تحریر اور اظہار خیال اور پریس وغیرہ کی پوری آزادی ہو۔

ایرانی عوام کی جماعت حزب تودہ انہیں مطالبات کو لے کر اٹھی ہے اور انگریزی شہنشاہیت اور ایرانی تیل کے انگریز مالکوں اور ان کے وظیفہ خوار ملکی

مقدمہ

"ایرانی ہمیشہ سے تہذیب، معاشرت، اور علوم وفنون میں ممتاز تھے۔ اسلام نے ان کو ممتاز تر کر دیا.... آج تمام اسلامی دنیا میں ایران ہی کی تہذیب و معاشرت جاری ہے۔" (مولانا شبلی۔ شعر العجم حصہ اول)

ہندستان اور ایران کے تعلقات ہزاروں سال پرانے ہیں۔ ایران ہمارا وہ پڑوسی ہے جس نے ہمارے اخلاق و تہذیب، اصول مملکت، و فلسفۂ حیات، آداب و معاشرت، علوم و فنون غرض ہماری زندگی کے تمام شعبوں پر اثر ڈالا ہے ان میں رچاؤ، حسن اور رنگینی پیدا کی ہے۔ یہ تاریخی خطہ صدیوں تک مشرقی تہذیب کا گہوارہ رہا ہے۔ اس سرزمین پر زرتشت اور مانی نے لوگوں کو انصاف اور سچائی کا پیام سنایا۔ یہیں کے لوگوں نے ضحاک کے مظالم کے خلاف درفش کاویانی بلند کیا۔ اسی خاک سے مزدک کا سا انقلابی اٹھا جس نے ساسانی سلطنت کی بنیادیں ہلا دیں اور اسی جگہ المقنع نے آزادیٔ وطن کا نغمہ سنایا اور رومی اور شمس تبریزی، طوسی اور بوعلی سینا، فردوسی اور نظامی، سعدی اور عطار، حافظ اور خیام جیسی بزرگ ہستیاں پیدا ہوئیں اور انہوں نے ہمیں زندگی کی حقیقتوں کو سمجھنے اور زندگی کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کا راز بتایا اور کون ہے جو اس عظیم المرتبت قوم کے احسانات سے انکار کر سکتا ہے!

لیکن قوموں کی زندگیاں نشیب و فراز سے خالی نہیں۔ ایک زمانہ تھا جب ساری دنیا میں یونان کا غلغلہ بلند تھا، روشنۃ الکبریٰ کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ہندستان

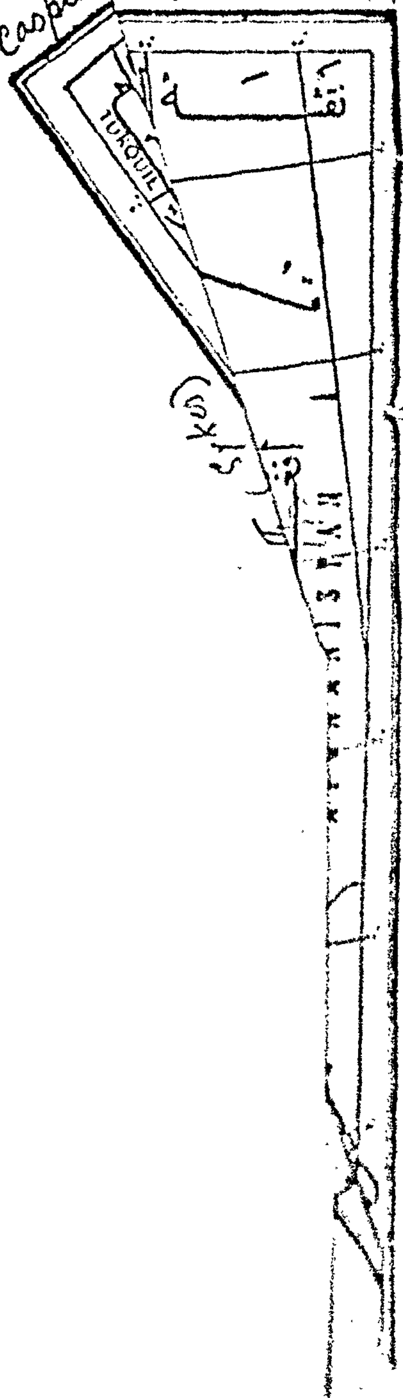
بھڑکتی ہیں ایراں میں چنگاریاں
اجالا ہے مشرق کے ایوان میں
بڑھی لے کے جمہوریت اپنی فوج
جل اٹھے غلاموں کے سینے کے داغ
گرے قصر شاہی سے ٹوٹے تخت و تاج
ملے زندگی کو نئے بال و پر
نئے میکدے مسکرانے لگے

یہ ہیں صبح عشرت کی تیاریاں
سحر ہو گئی شام و لبنان میں
ملی نیل سے جا کے دجلے کی موج
بکھرتے ہیں یا گل ہو رہے ہیں چراغ
نئی کروٹیں لے رہا ہے سماج
نئی منزلیں ہیں نیا ہے سفر
نئے جام گردش میں آنے لگے

نئی صبح ہے اور نیا آفتاب
مبارک زمانے کو یہ انقلاب

علی سردار جعفری

فہرس


3 Caspiana)
TURQUIE

ناشر:- پروگریسیو بک کلب
۱۱۴ میکلوڈ روڈ - لاہور

ایران کی بیداری

از

علی اشرف

قومی دار الاشاعت
مال روڈ۔ لاہور

قیمت
ایک روپیہ

ایران کی بیداری

علی اشرف